NEPALI LOK GEET AUR URDU–EK MUTAL?A

Dissertation submitted to Jawaharlal Nehru University
in partial fulfilment of the requirements
for the award of the Degree of
MASTER OF PHILOSOPHY

HUSSAIN AHMAD

CENTRE FOR INDIAN LANGUAGES
SCHOOL OF LANGUAGES
JAWAHARLAL NEHRU UNIVERSITY
NEW DELHI - 110067, INDIA
1993

जवाहरलाल नेहरू विश्वविद्यालय
JAWAHARLAL NEHRU UNIVERSITY
NEW DELHI - 110067

21-7-93

Centre of Indian Languages
School of Languages

Certificate

This is to certify that the dissertation, **Nepali Lok Geet Aur Urdu - Ek Mutal?A** submitted by **Hussain Ahmad** is in partial fulfilment of the requirements for the award of the degree of **Master of Philosophy**. It has not been previously submitted for any other degree of this or any other University and is his own work.

We recommend that this dissertation may be placed before the examiners for evaluation and consideration.

21/7/93

Dr.Naseer Ahmad Khan
Supervisor
CIL/SL/JNU
New Delhi

Prof.K.N.Singh
Chairperson
CIL/SL/JNU
New Delhi

نیپالی لوک گیت اور اردو :
ایک مطالعہ

مقالہ برائے ایم۔ فل۔

۔از۔

حسین احمد

۔نگراں۔

ڈاکٹر نصیر احمد خاں

مرکز السنۂ ہند

جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی ۱۱۰۰۶۷

۱۹۹۳ء

فہرست

پیش لفظ — الف تا سین

باب اول

نیپالی زبان ــــــ منظر و پس منظر — ۱

باب دوم

نیپالی اور اردو کے لسانی رشتوں کے اسباب و محرکات — ۳۵

باب سوم

لوک ادب اور اردو — ۶۱

باب چہارم

نیپالی لوک گیت اور اردو — ۱۰۵

کتابیات — ۱۵۴

پیش لفظ

نیپال کے متحد ہونے سے قبل اور اس کے بعد بھی نیپال کی ادبی تاریخ میں اردو نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے یہاں تک کہ بادشاہ پرتھوی نرائن شاہ کے اپدیشوں میں بھی اردو اور فارسی کا اثر کسی نہ کسی شکل میں ملتا ہے ان کے صاحبزادے پرتاپ سنگھ شاہ کے دور حکومت میں بھی اردو کے بااثر ہونے کے ثبوت ملے ہیں رانا بہادر شاہ کے دور حکومت میں اردو کے الفاظ کثرت سے استعمال ہونے لگے جس کا ثبوت پنڈت سندر نند بندا کی تخلیق کردہ کتاب "شری رتن سندریہ گاتھا" ہے جس میں اردو فارسی اور عربی کے بے شمار الفاظ بھرے پڑے ہیں نیپالی شعراء و مصنفین نے اپنی اپنی تخلیقوں میں اردو الفاظ سے استفادہ کیا ہے پنڈت موتی رام بھٹ جو نیپالی زبان و ادب کے بہت بڑے شاعر و ڈرامہ نگار مانے جاتے ہیں انہیں فارسی اور اردو دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا انہوں نے اپنی نظموں، غزلوں اور ڈراموں میں اردو کے کافی الفاظ استعمال کئے ہیں ان کے ہم عصر پنڈت گوپی ناتھ لوہنی پنڈت راجیو لوچن جوشی بڑا قاضی، سر بجی مان سنگھ وغیرہ نے بھی اپنی کتابوں میں بے شمار اردو الفاظ شامل

کئے ہیں اسطرح نیپال ادب کو اردو زبان نے کافی مالامال کیا ہے آج بھی اردو زبان نیپالی زبان وادب کی ایک ہردل عزیز زبان ہے۔ آج بھی نیپال کے دور دراز علاقوں میں ایک نیپالی اردو کے عام فہم بچے کو سمجھ سکتا ہے اگر نیپالی لغت کا جائزہ لیا جائے تو اس میں بھی بکثرت ایسے الفاظ پائے جائیں گے جو اردو کی بنیادی لغت سے تعلق رکھتے ہیں نیپال میں اکثر سرکاری و قانونی اصطلاحیں اردو ہی کی رائج ہیں جیسے بموجب، عدالت مجرم، غریب پرور، دربار، سرکار، حضور، تلوار، بارود خانہ، کتاب خانہ فراش خانہ، توشہ خانہ، اسباب خانہ وغیرہ نیپالی زبان میں اردو کے مختلف محاورے ونعرے بھی مل جائیں گے مثلاً اینٹ کا جواب پتھر سے دینا، لوہے کے چنے چبانا، جان کی بازی لگانا، منہ توڑ جواب دینا، آنکھ رکھتے ہونا وغیرہ۔ کچھ نعرے بھی سن لیجئے ——
انقلاب زندہ باد، بھرشٹاچار مردہ باد، شرم کرو جی شرم کرو، گدی چھوڑو گدی چھوڑو، پاپی سرکار ہو برباد، وغیرہ۔

نیپالی عوام شعوری یا غیر شعوری طور پر شروع ہی سے نیپالی اور اردو کے اختلاط میں مصروف عمل رہے ہیں جس کی وجہ سے اردو کا بنیادی لسانی ڈھانچہ نیپال کے شہری حلقوں کے علاوہ گاؤں، قصبات اور گلی کوچوں تک پہونچ گیا۔ جس ملک میں مجرم، خطرناک، کسم رومال کے نام سے نیپالی زبان میں فلمیں بن سکتی ہوں جس دیش کا نیپالی زبان میں پہلا اخبار "آواز" کے نام سے چھپ سکتا ہو۔ جہاں

ہندوستانی اور پاکستانی اردو ہندی فلمیں دیکھی جا سکتی ہوں۔ جہاں پاکستان سے روزانہ
اردو زبان میں ٹیلی ویژن سیریل و ڈرامے اور دیگر پروگرام نشر کئے جا سکتے ہوں۔
جہاں باضابطہ طور پر "ہمالیہ کی آواز" کے نام سے اردو اخبار نکلنا شروع ہو گیا ہو۔
جہاں مدرسوں و مکتبوں میں درس و تدریس کا ذریعہ اردو ہو ۔ وہاں ہم اردو کی روشن
اور تابناک مستقبل کی امید کر سکتے ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بھی اس جانب
متوجہ ہو جائیں تو یہ کام اور بھی آسان ہو سکتا ہے ۔

میری ننھیال نیپال میں ہونے کی وجہ سے میری ابتدائی تعلیم و تربیت وہیں ہوئی
اور وہاں اردو، ہندی اور انگریزی کے علاوہ نیپالی بھی پڑھی لیکن اس وقت مجھے نیپالی
اور اردو کے تعلق کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا اس کی وجہ شاید میری کم علمی اور کم عمری رہی
ہو۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے میں ہندوستان واپس لوٹ آیا اور بہار کی متعلقہ یونیورسٹی میں
زیر تعلیم رہا میری دلی خواہش تھی کہ میں انگریزی میں امتیاز حاصل کروں لیکن وہاں
کے اپنے اردو استاد پروفیسر طیب صدیقی صاحب اور انگریزی کے پروفیسر انتخاب احمد
کے مشورے پر اردو کی طرف مائل ہوا۔ میں ان کا بے حد شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مجھے
اردو کیطرف راغب کیا اور جسکا خاطر خواہ نتیجہ یہ نکلا کہ میں اپنی یونیورسٹی کے اردو آنرز
کے امتحان میں اول درجے میں اول مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا یہ میری خوش قسمتی رہی
کہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی جیسے ادارے سے اردو میں ایم۔ اے کیا اور آج کل تحقیقی مقا

میں مصروف ہو گیا ہندوستان کے مشہور ماہر لسانیات ڈاکٹر نصیر احمد خاں جو نہ صرف میرے استاد
ہیں بلکہ میرے سرپرست بھی ہیں پہلی بار انہوں نے مجھے لسانیات پڑھنے کی تلقین کی اور ان کی
اس تحریک نے میرے اندر لسانیات کے لئے دلچسپی پیدا کی۔ پھر کیا تھا میرا ذہن اکثر اردو
اور نیپالی کے لسانی رشتے پر غور کیا کرتا تھا اور دل میں خواہش کروٹ لیتی تھی کہ ان دونوں
زبانوں کے لسانی تعلق کا پتہ لگایا جائے۔ چنانچہ اپنے نگراں ڈاکٹر نصیر احمد خاں سے اس کے
متعلق مشورہ کیا اور انہوں نے اس پر کام کرنے کی فوراً منظوری دیدی اور حکم ہوا کہ بلاتامل
اس پر کام شروع کر دو۔ اس تحقیقی کام کیلئے انہوں نے میری کافی ہمت افزائی کی اور مالی تعاون
بھی فراہم کرایا میں یہ تحقیقی کام صرف اور صرف انہیں کی وجہ سے مکمل کرنے میں کامیاب ہوا
ہوں لہذا ان کا یہ احسان میرے سر سے کبھی نہیں اتر پائیگا۔

میں نے اپنی تحقیق کے سلسلے میں جب نیپال کا دورہ کیا تو مختلف مسائل سے دوچار
ہونا پڑا اور اس وقت مجھے بڑی ناامیدی و افسردگی ہوئی جب اپنی تحقیق کے سلسلے میں مجھے
کوئی مواد نہیں مل پایا کیونکہ ابھی تک نیپالی اور اردو کے تعلقات کے متعلق کوئی تحقیقی
کام نہیں ہو پایا تھا۔ کبھی کبھی دل میں یہ خیال بھی آیا کہ میں اپنی تحقیق کا عنوان بدل
دوں لیکن دوستوں کے اصرار اور میری ذاتی دلچسپی اور لگاؤ نے ایسا کرنے سے باز رکھا
میں تری بھون یونیورسٹی کاٹھمانڈو کے سینٹرل لائبریری میں مہینوں نیپال کی تاریخ
عمرانیات، جغرافیا اور لسانیات کا مطالعہ کرتا رہا اور پھر میں اپنے اصل موضوع کی طرف

متوجہ ہوا اس سلسلے میں مجھے کافی بھاگ دوڑ کرنی پڑی۔ مختلف کتابوں، کیسیٹوں اور لوگوں کو گوائز ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے نیپالی لوک گیتوں کو جمع کیا اور پھر اس کا بغور مطالعہ کیا۔ مجھے یہ جان کر کافی حیرت ہوئی کہ نیپالی کے لوک گیتوں میں میرے اندازے سے کہیں زیادہ اردو کے لسانی اثرات پائے جاتے ہیں

میں نے اس مقالے کے پہلے باب میں نیپالی زبان کی تاریخ اور اس کا دوسری زبانوں سے رشتے کی وضاحت کی ہے ۔ دوسرے باب میں نیپالی اور اردو کے باہمی تعلقات کے اسباب ومحرکات سے بحث کرتے ہوئے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اردو کس طرح اور کن وجوہ سے نیپالی زبان کے اتنے قریب آگئی ہے تیسرے باب میں میں نے لوک ادب ہندوستان میں قدیم لوک ادب کی روایت، ہندوستانی لوک ادب میں انگریزوں کا حصہ، اردو لوک ادب کی روایت لوک ادب کی تحقیق کے مسائل اور ان کے ذرائع سے مختصراً بحث کی ہے چوتھے اور آخری باب میں نیپالی لوک گیت کی روایت اسکی درجہ بندی و موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے ان پر اردو کے لسانی اثرات کا طائرانہ جائزہ لیا ہے ۔

میں تری بھون یونیورسٹی کاٹھمانڈو کے ونود پرشاد سویدی، چرن جیوی نیو پونے، دیو کمار آچاریہ، مس سومن، مس کانتی، مس شبنم، محمد جلال الدین رانکی کا بہت ہی شکر گذار ہوں کہ ان لوگوں نے نیپالی لوک ادب اور لوک گیت کی مجھے تفصیلی جانکاری دی اور اس کے متعلق مختلف کتابیں بھی فراہم کیں ۔

میں نے جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے آصف علی، مناظر اسعد، مس نندھی شرما، خواجہ محمد اکرام الدین، محمد کمال صادق، شکیل جہانگیری، محمد اصغر، اور عزیزی مناظر عالم و دیگر دوستوں کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے برابر میری ہمت افزائی کی اور نیپال و ہندوستان کی تاریخ و کلچر وغیرہ سے متعلق متعدد کتابیں بھی فراہم کرائیں

میں اپنے خالہ زاد بھائی محمد شرف الدین جو نیپال میں ایک اچھے سرکاری عہدے پر فائز ہیں اور جن کو نیپالی اور اردو دونوں زبانوں کی اچھی جانکاری ہے، ان کے مشوروں اور شفقتوں کو بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ انہوں نے میرے ساتھ نہ صرف تبادلہ خیال کیا بلکہ ہر طرح سے میری مدد بھی کی اور اس کام کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کے لئے مجھے برابر ٹوکتے رہے۔

آخر میں اپنی مسرت پروین اور اپنی پیاری بھابی رقیہ بانو کا بھی احسان مند ہوں جنہوں نے دوران تحقیق و مطالعہ ہر طرح سے خیال رکھا اور سختی کے ساتھ مجھے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دیتی رہیں۔

حسین احمد

جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی۔

باب اول

نیپالی زبان ——— منظر و پس منظر

نیپالی زبان نیپال کی قومی زبان (NATIONAL LANGUAGE) ہے۔ نیپال

کا آئین (CONSTITUTION) حصہ اول - آرٹیکل - ۴ - میں یہ صاف لکھا ہوا ہے کہ :

دیوناگری رسم الخط میں لکھی جانے والی نیپالی زبان نیپال کی قومی زبان ہے ۔ نیپال کے آئین، گزٹ، قانون، گذارش، درخواست، سرکاری ایڈورٹیزمنٹ، حکم، عدالت، کچہری کے احکامات اور فرض، بحث ومباحثہ، تذکرہ اور اسکول اور کالجوں میں درس وتدریس کا ذریعہ نیپالی زبان ہی ہوگی ،، ؎

یہ حقیقت ہے کہ کسی زبان کے قومی زبان ہونے سے متعلق اختلافات ملتے ہیں۔ لیکن نیپال میں نیپالی زبان کے قومی زبان ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ نیپال میں ملک کی جدید کاری کے ساتھ ہی نیپالی زبان نے خود قومی زبان کا مقام حاصل کرلیا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ شری ۵ بڑا مہاراج دھیراج پرتھوی نرائن شاہ کے جدید نیپال کی یکجہتی ۱۷۶۸ء میں کاٹھمانڈو فتح کرنے سے قبل ہی نیپالی زبان کی بڑی حد تک ترقی واشاعت اور توسیع ہو چکی تھی اور قبول عام کی سند بھی رکھتی تھی ۔

نیپال میں نیپالی

نیپالی زبان عہد وسطیٰ سولہویں صدی کے آغاز سے ہی نیپال میں مختلف زبانوں کے بولنے والوں کے درمیان رابطے کی زبان کی شکل میں رائج تھی۔ مختلف زبانیں بولنے والے جب آپس

؎ Constitution Of Nepal, part.1, Art-4.

میں ملتے ہیں تو اسی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ نیپالی نہ صرف مختلف قوموں اور قبیلوں بلکہ بلا تفریق مذہب و ذات یہاں کی رابطے کی واحد زبان ہے۔ نیپال کے ننانوے فیصد باشندے نیپالی بول بھی سکتے ہیں اور سمجھ بھی سکتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی کو نیپال کی شہریت (CITIZEN SHIP) اسی وقت ملتی ہے جب وہ نیپالی بول اور سمجھ لے۔

اکثر نیپالیوں کی مادری زبان بھی نیپالی ہی ہے۔ نیپال کی چوتھی مردم شماری ۱۹۸۰ء کے مطابق نیپالی بطور مادری زبان بولنے والوں کی تعداد ۵۹ فیصد ہے۔ نیپالی کو مادری زبان کہنے والے نیپال کے ہر شہر، قصبے، گاؤں اور گلی کوچوں میں رہتے ہیں۔ ایک تخمینے کے مطابق مغربی پہاڑوں میں نیپالی کو مادری زبان کہنے والوں کی تعداد تقریباً ۹۰ فیصد، مشرقی پہاڑوں میں تقریباً ۵۷ فیصد اور میدانی علاقے میں تقریباً ۵۴ فیصد ہے۔

نیپال کے باہر ۶۰ لاکھ سے بھی زیادہ لوگوں کی مادری زبان نیپالی ہے۔ یہ لوگ نسلاً نیپالی ہی ہیں نیپال کے گورنگی، مگراتی، کراتی، لمبوانی، نیوارٹی، دنواری وغیرہ علاقوں کے لوگ باہر جاکر اپنی مادری کا زبان نیپالی ہی کہلواتے ہیں۔

ہندوستان کے دارجلنگ، آسام، سکم، کالی پونگ، دہرادون اور بھاکسو وغیرہ کے علاوہ بھوٹان، برما، ہانگ کانگ، ملایا، سنگاپور، بورنیو، برونئی اور انگلینڈ وغیرہ میں مجموعی طور پر نیپالیوں کی تعداد ۶۰ لاکھ سے اوپر ہے۔ ہندوستان میں نیپالی تقریباً پانچ

لدکو ہیں سبھی لوگ اپنی مادری زبان نیپالی بتاتے ہیں اسطرح نیپالی زبان اس ملک سے باہر ترقی کرنے کی کافی گنجائش رکھتی ہے۔

نیپالی نیپال کے باہر

یہ ایک حقیقت ہے کہ نیپالی زبان بین الاقوامی نہ سہی تو کم سے کم ایشائی کردار رکھتی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر نیپالی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ زبان ہندوستان میں سکم، خرسانگ، دہلی اور گوہاٹی ریڈیو اسٹیشنوں کے علاوہ بھوٹان، انگلینڈ، روس، چین، بنگلہ دیش، پاکستان، سری لنکا اور امریکہ جیسے ممالک میں ریڈیو اسٹیشنوں سے نیپالی میں روزانہ پروگرام نشر ہوتے ہیں۔ سکم صوبے میں پہلی زبان کا درجہ رکھتی ہے اور مغربی بنگال اور بھوٹان کی نیپالی دوسری زبان ہے۔ ہندوستان کی دو یونیورسٹیوں میں — اتر بنگ یونیورسٹی اور کاشی ہندو یونیورسٹی میں نیپالی زبان کی نہ صرف تعلیم کا بندوبست ہے بلکہ نیپالی زبان میں ایم، اے تک کی ڈگری بھی دی جاتی ہے۔ کلکتہ یونیورسٹی نے میٹرک، آئی، اے اور بی، اے تک نیپالی زبان کو نصاب میں منظوری دی تھی جس کا ۲۲ جولائی ۱۹۱۸ء کے کلکتہ گزٹ میں ذکر ملتا ہے

ہندوستانی اور نیپالی عوام کے درمیان صدیوں پرانے تعلقات ہیں۔ تہذیبی، سماجی، ثقافتی معاشی سطحوں پر دونوں ملکوں کے عوام ایک دوسرے سے تبادلہ خیال اور لین دین کرتے آ رہے ہیں جسکے نتیجے میں نیپالی زبان کو ہندوستان میں کافی فروغ ملا اور مختلف اداروں میں

درس وتدریس اور نشر واشاعت کے کام ہوئے ۔

نیپال میں رائج بولیاں

نیپال میں کم وبیش چار لسانی خاندانوں کی زبانیں بولی جاتی ہیں ۔ زبانیں اور بولیاں جن قوموں اور نسلوں سے متعلق ہیں وہ ہیں ۔

(۱) ڈراویڈی قوم

(۲) آگنے قوم

(۳) تبتی ورمی قوم

(۴) بھارو پیئے قوم (ہندوستانی خاندان)

ڈراویڈی قوم: ڈراویڈی کا تعلق بحیرۂ روم کے قرب وجوار کی نسل سے ہے جو ایک عرصے تک عراق میں رہ چکے ہیں۔ جب ہقادیوں اور سامیوں کا سیاسی اور سماجی دباؤ بڑھنے لگا تو انہوں نے وہاں سے راہ فرار اختیار کی اور بلوچستان ہوتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ پہلے تو یہ سندھ میں بسے اور پھر آہستہ آہستہ ملک کے شمالی حصے میں پھیلنے لگے ۔ ڈراویڈی خاندان نے سنسکرت اور اس کے وسیلے سے ہند آریائی خاندان کو بہت متاثر کیا ہے۔ چنانچہ ٹ، ڑ، ڈ کی معکوسی آوازیں ہند آریائی میں ڈراویڈی خاندان سے ہی لی گئی ہیں ۔ لہذا جس وقت یہ قوم شمالی ہندوستان میں پھیل رہی تھی اسی وقت ان میں سے بہت سے افراد نیپال کی طرف کوچ کر گئے ۔ جہاں

انہوں نے اپنی زبان سے مقامی بولیوں کو کافی متاثر کیا۔

نیپالی زبان کے اہل قلم نیپال میں دُہراودیدی قوم کی ایک ہی زبان مانتے ہیں اور وہ ہے جھنگڑاری و دھانگڑی ۔ لیکن شاید ان کی نظر "تلنگی" پر نہیں پڑی۔ تلنگی زبان بھی دُہراودیدی قوم کی زبان ہے جو نیپال میں ابھی تک بولی جاتی ہے۔ جھانگڑ لوگ مشرقی نیپال کے ترائی (میدانی علاقے) کے جھاپا، مورنگ اور سنسری ضلعوں میں چھوٹے چھوٹے جھنڈ بنا کر رہتے ہیں۔ تری بھون یونیورسٹی کاٹھمانڈو میں (SUMMER INSTITUA-TE. OF LINGUISTICS) نے پہلی بار پتہ لگایا ہے کہ جھنگڑاری زبان دہراودیدی قوم کی زبان ہے نیپال کی ۱۹۸۰ء کی مردم شماری کے مطابق جھانگڑوں کی تعداد تقریباً ۱۵۰۰۰ تھی ۔

آگنے قوم : نیپال میں منگول اور آریوں سے قبل آگنے قوم کے لوگ رہتے تھے کول، آبھر، نشاد، بھیل، کرانت وغیرہ ذات کے لوگ نیپال میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے آسام اور شمالی علاقے اور برما، تھائی لینڈ، کمبوڈیا، لاؤس ویت نام وغیرہ۔ الغرض بحر ہند کے علاقوں میں ان کا رہنا تھا۔ اس سے قبل بھی ممکن ہے کہ نیگرو خاندان کے لوگ رہے ہوں گے۔ نیپال میں اب نیگرو خاندان کی زبان زندہ نہیں ہے۔ ہندوستان میں بھی انڈومان، نیکو وار کے علاوہ کسی دوسرے علاقے میں نیگرو خاندان کی زبان نہیں ملتی ۔

آگنیلی قوم کے لوگ کالے، لمبے سر اور لمبے ناک والے رہے ہونگے۔ بعد میں مختلف قوم کے اختلاط کے ساتھ ان میں فرق آتا گیا۔ ہندوستان میں آگنے قوم کے بعد ہی دُراویدی آئے ہیں نیپال میں آگنے کے بعد منگول آئے اور پھر آریا قوم آئی۔ نیپال کی آگنے قوم کی زبانوں میں دھیمال، ہیپچے، راجی اور کھمبو (کراتی) لمبو اور سوتانی زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں سوتالی کے علاوہ سبھی زبانوں میں تبتی و رمی زبانوں کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

دھیمالی قوم مشرقی نیپال کے میدانی علاقے جھاپا اور مورنگ ضلعوں کے مشرقی حصوں میں رہتے ہیں ۱۹۸۰ء کی مردم شماری کی مطابق ان کی تعداد تقریباً ۱۳۰۰۰ تھی یہ میدانی علاقوں کے رہنے والے ہیں لیکن پھر بھی ان کی زبان پہاڑوں میں رہنے والے کرانت اور لمبو سے مماثلت رکھتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صدیوں پہلے یہ پہاڑ سے آکر میدانی علاقوں کے جنگلوں میں رہنے لگے۔ یہ ان سے ناک و نقش میں ملتے جلتے تو ہیں لیکن رنگ میں نہیں ملتے۔ پہاڑوں میں رہنے والے کرانت پیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ جبکہ میدانی علاقوں میں رہ رہے دھیمال کالے رنگ کے ہوتے ہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ آب و ہوا اور قدرتی نظام کی وجہ سے ایسا ہوا ہوگا۔

ہیپچے قوم کی آبادی قریب قریب ختم ہو رہی ہے یہ بھی مشرقی میدانی علاقوں کے جھاپا ضلعوں میں رہتے تھے۔ حال کی مردم شماری میں ان کی تعداد صرف ۵۰۰ کے آس پاس رہ گئی تھی۔

راجی زبان : راجی زبان مغربی پہاڑ کے سینی بلاک (آنچل) میں بولی جاتی ہے راجی

زبان بولنے بھی اب نہیں کے برابر ہیں ۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں ان کی تعداد صرف ۸۰۹ تھی۔ اس کے بعد مردم شماری میں ان کی تعداد نہیں دکھائی دیتی۔

لمبو یا کرانتی زبان بولنے والے مشرقی نیپال کے پہاڑوں میں رہتے ہیں نیپال میں ان کو "رائی کورا" بھی کہتے ہیں ان لمبوؤں میں نو صوبے ہیں جن کی الگ الگ زبان و بولیاں ہیں ـــــ فالنگی، تھولنگی، تیلنگی، چولنگی، کولنگی، سوتانگی، سمباتگی، اٹھپہری اور وان تبا۔ وان تبا زبانی عناصر کی وجہ سے لمبو یا پاک زبان سے ملتی جلتی ہے لیکن قوم کے حساب سے وان تبا اپنی زبان کو لمبو کرانت کہتے ہیں۔ ان زبان و زبان والوں میں اٹھپہری بولنے والے مشرقی پہاڑ کے دھن کٹہ ضلع میں آباد ہیں اور باقی سبھی مشرقی پہاڑوں کے ارن ندی سے مغرب کی جانب اور تاما کوشی ندی کے مشرقی حصوں میں رہتے ہیں۔ کچھ بہار کے بھوجپور ضلع میں بھی رہتے ہیں۔

لمبو زبان بولنے والے مشرقی پہاڑ کے ارن ندی کے مشرق۔ نیپال کی مشرقی سرحد میچی ندی کے مغرب میں رہتے ہیں۔ ان کی تین بولیاں ہیں ـــ وان تبا، کھکٹھا اور پاک تھمبا۔ پاک تھمبا کی دو بولیاں ہیں ـــ فرائی اور ۵ تری ـــ لمبو زبان میں کچھ نظم و نثر کی تخلیق بھی ہوئی ہے اور مختلف مذہبی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اس زبان کا اپنا رسم الخط بھی ہے جسے "شری جنگا" کہتے ہیں۔ لمبو زبان والوں کا خیال ہے کہ شری جنگا نامی شخص نے اس زبان کا ایجاد کیا تھا لہذا اسی مناسبت سے اس کے رسم الخط کا نام بھی شری

جنگا رکھا گیا ۔ لمبو اور کھمبو دونوں کو کرانت کہا جاتا ہے ۔ لمبو اور کھمبو ذاتی کی تعداد ۱۹۷۱ء کی مردم شماری میں تقریباً ۲۰۳۰۵۱ تھی ۔

سونال زبان ۔ سونال قوم کی زبان ہے ۔ ہندوستان کے سنتھال اور نیپال کے سونال ایک ہی ہیں ۔ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ دونوں کی زبان ایک ہی ہے ۔ اس تبدیلی کا سبب دونوں کی تہذیبی اور ثقافتی پہلو ہیں ۔ ایک طرف ہندوستان میں سنتھال پر ہندی اردو اور دیگر ہندوستانی زبانوں کے اثرات ہیں تو دوسری طرف نیپال کے سونال پر نیپالی زبان کے اثرات مرتب ہوئے ہیں ۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق نیپال میں سونالوں کی تعداد ۲۰۶۶۰ تھی ۔ سونال قوم نیپال کے مشرقی میدانی علاقے کے مورنگ ضلع میں آباد ہے ۔

تبتی و برمی قوم

تبتی برمی قوم کی زبان بولنے والے نیپال میں آریاؤں سے پہلے آئے ہیں یہ لوگ منگول ذاتی کے ہیں ۔ ان کا پہلا مقام جدید چین کی کھکھا ہو اور یانگ تسے ندی کے قریب وجوار کا علاقہ ہے ۔ اس قوم کی زبان بولنے والے بارہ فرقے کے لوگ نیپال میں موجود ہیں جس میں نیوار سب سے اہم ہے نیوار تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ بھی ہیں ۔ کاٹھمانڈو اور اسکا میں اس قوم نے تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی ہے ان کی زبان نیواری ایک ترقی یافتہ زبان ہے ۔ ہندوستان میں جس طرح ہندی داں طبقہ ہندی بولتے وقت اردو الفاظ کا استعمال اپنی تحریر و تقریر میں جاذبیت اور خوبصورتی لانے کیلئے کرتا ہے اسی طرح نیپال میں نیپالی زبان

داں نیواڑی زبان کے الفاظ کی شمولیت کو باعث فخر سمجھتے ہیں۔ نیواڑی زبان میں ہاتھ سے لکھے ہوئے بہت سی قدیم دستاویزات اور کتابیں ہیں جو نیپال کے نیشنل میوزیم میں محفوظ ہیں یہ زبان نیپال کی دوسری اہم زبان ہے لیکن زبان والوں کے لحاظ سے اس کا مقام ساتواں ہو جاتا ہے اس زبان کی چار اہم بولیاں ہیں۔

(۱) کاٹھمانڈوی (۲) بھکتپوری (۳) دولکھی (۴) کھلڈنگی

کاٹھمانڈوی بولی کو معیاری مانا جاتا ہے لیکن قدیم اور درستگی کی وجہ سے بھکتپوری زبان اس سے زیادہ معیاری تسلیم کی جاتی ہے ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق نیواڑوں کی کل تعداد ۴۵۴۹۷۹ تھی۔

تعداد کے لحاظ سے نیواڑی سے قبل تمانگ کا نمبر آتا ہے ان کی تعداد ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۵۵۵۰۵۴ تھی اس زبان میں تحریری ادب نہیں ملتا۔ نیپال میں مختلف زبانیں بولنے والوں کی تعداد کے مطابق اس کا مقام چوتھا ہے یہ پہاڑی قوم ہے اس کا خاص مقام کاٹھمانڈو کے مشرق و مغرب کے قریبی اضلاع ہیں۔ اس زبان کی دو ذیلی قسمیں ہیں۔

(الف) مشرقی تمانگی (ب) مغربی تمانگی۔

تبتی برمی قوم کی زبان تعداد کے لحاظ سے تیسری زبان ہے۔ منگروں کی منگراتی میں بھی تحریری ادب نہیں ملتا حال ہی میں کچھ گیت اور کہانیاں لکھی گئی ہیں۔ اس کی دو بولیاں ہیں

(الف) مشرقی منگراتی (ب) مغربی منگراتی

مشرقی منگراتی بولنے والے ہندو ہیں ۔ اور مغربی منگراتی بولنے والے بدھو مت کے لوگ ہیں ان منگروں کے خاص مقام رہائش مغربی نیپال کے پہاڑی اضلاع پالپا، گلمی، پیوٹھان سلیان، اور بالنگ ہیں لیکن یہ لوگ نیپال کے تقریباً ہر گوشے میں آباد ہیں۔ سترھویں صدی میں ان کے چھوٹے چھوٹے صوبے بھی تھے جن پر وہ لوگ حکومت کرتے تھے۔ نیپال میں سب سے زیادہ ایماندار قوم ملنگر ہی تسلیم کی جاتی ہے ۔

منگر قوم کے بعد گرنگ قوم کا نام لیا جاتا ہے اس قوم کے لوگ تقریباً نیپال کے ہر خطے میں آباد ہیں اس زبان میں بھی ادب کی تخلیق نہیں ہوئی ہے ۔ ان کی تعداد تیسری مردم شماری ۱۹۷۱ء کے مطابق ۱۷۱۶۰۹ تھی ۔

سنواری زبان کا مقام گرنگ زبان کے بعد آتا ہے سنوار لوگ مشرقی پہاڑ میں سنکوشی ندی کے مشرق میں رامیچھاپ اور اوکھل دھونگا میں رہتے ہیں۔ سنواری زبان بولنے والوں کی تعداد ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۲۰۳۸۰ تھی ۔

سیر پا بھوٹیا ذات کی ایک شاخ ہے یہ لوگ خاص طور پر اونچی پہاڑی پر یا پھر اس کی چوٹی پر رہتے ہیں ان کی زبانوں میں مقامی تبدیلیاں ملتی ہیں ان کی زبان تبتی زبان سے ملتی جلتی ہے ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد ۷۹۲۱۸ تھی ۔

چیپانگ قوم خود کو عوامی قوم (जाति आति प्र) کہتی ہے کاٹھمانڈو کے قریب وجوار جنوب ومغرب کے پہاڑوں کے ڈھلانوں پر بسنے والی اس قوم کی زبان چیپانگی ہے

اس کا مطالعہ بھی ۱۹۷۰ کی دہائی ،، تری بھون یونیورسٹی ،، کاٹھمانڈو کے (SUMMER INSTITUATE OF LANGUAGES) نے کیا تھا لیکن ابھی تک مکمل تفصیلات حاصل نہیں ہو سکی ہیں ۔ چیپانگ زبان بولنے والوں کی تعداد ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۹۲۴۷ بتائی گئی ہے ۔

کاٹھمانڈو سے مشرق میں سنکوشی ندی کے مشرق کے سندھو پالکوک ضلع کی کچھ گپھاؤں میں رہنے والی تھامی قوم کی زبان تھامی کہلاتی ہے ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد ۴۰۴۶ تھی ۔

دھولاگری انچل کے مشرق میں قائم مستانگ ضلع کے تھاککھولا کے رہنے والے تھکالی ہیں اس قوم کا پیشہ تجارت ہے یہ قوم آج کل پوکھرا، کاٹھمانڈو، بھیروا اور بانک لنگ ضلعوں میں بھی پھیلے ہوئے ہیں ان کی زبان تھکالی ہے ان کی تعداد ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۴۱۳۴ تھی ۔

مشرقی پہاڑ کے نشیب میں رہنے والوں کو جریلی قوم کے نام سے جانا جاتا ہے ان کی بولی کو بھی جریلی ہی کہتے ہیں ۔ سیرپا قوم اور جریلی قوم کی زبانوں میں بہت حد تک مطابقت ہے ان کی تعداد ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۲۷۵۷ تھی ۔

مغربی پہاڑ کے دائرے میں ہمالیہ کے نزدیک رہنے والوں کو بیاسی کہتے ہیں اور ان کی زبان بھی بیاسی کہلاتی ہے ۔ ان کی تعداد ۱۹۵۱ء کے مطابق ۱۷۸۶ تھی ۔

ہایو قوم کی زبان ہایو ہے اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے 1951ء
کی مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد صرف ۲۳۳ ہے اب ان کی زبان دم توڑتی ہوئی نظر آرہی ہے

ایک نیپالی ادیب ڈاکٹر چوڑامنی مندھونے لمبو اور کھمبو زبان کو تبتی ورمی خاندان
میں رکھا ہے جبکہ ایک دوسرے نیپالی ادیب بال کرشن پوکھریل نے اسے آگنے خاندان کی زبان تسلیم
کیا ہے اسی طرح ہڈسن (HADSON) نے ۱۹۰۲ء میں سنواری زبان کو بھی آگنے
خاندان کی زبان بتایا تھا۔ پہری زبان کو جارج گریرسن نے نیواری زبان کی بولی کہا
ہے یہ پہری، کابھرے، بلاں چوک، سندھو پال چوک، رام چھاپ اور للت پور ضلعوں میں
رہتے ہیں۔ مردم شماری میں ان کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔

ہندوستانی خاندان

اس خاندان کی کم از کم پندرہ زبانیں موجودہ دور میں نیپال میں بولی جاتی ہیں اس
میں سب سے پہلی اور اہم زبان نیپالی ہے۔ نیپالی زبان کے زیادہ تر ادیبوں نے نیپالی زبان کو
ہندوستانی خاندان کی زبان تسلیم کیا ہے۔ نیپالی بطور مادری زبان بولنے والوں کی مجموعی
تعداد تقریباً ۸۹۵۶۸۶۷ ہے جو کل آبادی کا ۵۹ فیصد حصہ ہے۔

نیپالی کے بعد دوسری اہم زبان میتھلی ہے میتھلی زبان بولنے والوں کی تعداد تقریباً
۱۳۲۷۲۴۲ ہے میتھلی نیپال کے دھنوسا، مہوتری، سرلاہی، سپتری، سنسری، مورنگ اور
سرہا وغیرہ علاقوں میں رائج ہے۔ میتھلی زبان کے فروغ میں کاٹھمانڈو کا بہت بڑا

ہا کھو رہا ہے۔ مَل راجاؤں نے میتھلی زبان میں ڈرامے بھی تخلیق کئے ہیں نیپال میں میتھلی بولنے والوں کی تعداد ۸ فیصد ہے۔

نیپال میں میتھلی کے بعد تیسرا مقام بھوجپوری کو حاصل ہے ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق بھوجپوری بولنے والوں کی تعداد نیپال میں ۸۰۶۴۸۰ تھی جو پوری آبادی کا ۵ فی صد حصہ ہے۔ نیپال میں بھوجپوری زبان نرائنی کمشنری، کے پرسا، وارا، روت ہٹ، اور لمبنی کے نقل پراسی اور روپ دہی ضلعوں میں بولی جاتی ہے۔

نیپال میں ہندوستانی خاندان کی زبانوں میں ہندی آج پانچویں زبان بن گئی ہے نیپالی میں ایک تخمینے کے مطابق ۷۰ سے ۸۰ فیصد الفاظ ہندی یا ہندوستانی کے شامل ہوئے ہیں۔ نیپال میں ہندی، اردو پڑھے لکھے طبقوں میں رائج ہے۔ یوں تو ہندی اردو نیپال کے ۹۰ فیصد لوگ بآسانی سمجھ سکتے ہیں یہ زبان نیپال میں کسی قوم کی مادری زبان نہیں ہے تاہم اس کے بے شمار اثرات نیپالی زبان پر مرتب ہوئے ہیں اس کی کئی وجہیں ہیں۔ نیپال کا تعلق ہندوستان سے صدیوں پرانا ہے اور دونوں ملکوں کے لوگ ہمیشہ سے ایک دوسرے کے ربط میں رہے ہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ بعض لوگ ہجرت کرکے نیپال جاکر بس گئے ہیں۔ اور کچھ لوگ نیپال سے بغرض معاش ہندوستان آتے رہے ہیں تیسرے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیاسی، سماجی، تہذیبی، معاشرتی غرض یہ کہ کئی وجوہ ایسی ہیں کہ دونوں ملکوں کے عوام وحکام صدیوں سے ایک دوسرے کے ربط میں رہتے آرہے ہیں اس کا نتیجہ بھی برآمد ہوا کہ نیپالی زبان ہندی، اردو ہندوستانی کے اثرات قبول کرکے مالامال ہوگئی۔ جہاں تک

اردو کا تعلق ہے نیپال میں اس زبان کو ایک خاص مقام حاصل ہے یہ ۹۰ فیصد نیپالی مسلمانوں کی زبان ہے باقی ۱۰ فیصد مسلمانوں کی مادری زبان اگرچہ اردو نہیں ہے لیکن جب وہ گھر سے باہر نکلتے ہیں تو ان کی مادری زبان بھی اردو ہو جاتی ہے۔ جب یہ مہمانوں یا ادبی محفلوں میں ہوتے ہیں تو خالص اردو بولتے ہیں۔ نیپال میں اردو زبان کے فروغ میں دینی مدارس نے اہم کردار ادا کیا ہے یہاں کے دینی مدارس میں درس وتدریس کا ذریعہ اردو ہی ہے۔ اردو زبان کے الفاظ نیپال کی سرکاری اصطلاحات اور عوامی بول چال کے علاوہ تحریر وتصنیف میں بھی شیر وشکر ہو گئے ہیں اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ نیپالی زبان پر اردو حاوی ہے کیونکہ کسی ملک کی زبان اپنے ہی خطے کی پیداوار اور اسکی پروردہ ہوتی ہے اس میں اس زبان، بولی اور لب ولہجہ کی کارفرمائی ہوتی ہے جس کا تعلق عوام سے ہوتا ہے اس پر سب سے زیادہ علاقائی روایات لسانی اور تہذیبی عناصر کی کارفرمائی ہوتی ہے اگر کسی زبان میں کسی دوسری زبان کے الفاظ بولیاں اور لہجے پائے جائیں تو اس سے دونوں زبانوں کے درمیان انتہائی قربت کا پتہ چلے گا۔ لہٰذا نیپالی زبان میں گورکھالی، چینی تبتی، نیواری، بھوجپوری، میتھلی اور دیگر مقامی بولیوں کی بجائے اردو لفظوں کا بکثرت پایا جانا اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ پورے نیپال میں اردو لوک ورثے میں شامل ہوکر نیپالیوں کے مزاج، تمدن، لب ولہجہ اور طور وفکر سے ہم آہنگ ہو گئی ہے۔ نیپال میں اردو اور اس کے اثرات کے کئی اسباب ہیں اس کا ذکر اگلے ابواب میں آئے گا۔

اردو کے بعد نیپالی میں چھٹا مقام تھارو زبان کا آتا ہے جس کے بولنے والے نیپال کے میدانی

علاقے کے آدی باسی ہیں ۔ میدانی علاقے میں یہ مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں ، موزنگ ضلع کے تھارو کو مورنگیا ، سپتری ضلع کے تھارو کو سپتریا اور دانگ کے تھارو کو دنگورا کہتے ہیں ان کی تعداد تقریباً ۴۹۵۸۸۱ ہے تھارو زبان میں اب کچھ کچھ ادب تخلیق ہونے لگا ہے مشرقی حصے کے تھاروؤں کو ماگدھی پیرست تھارو اور مغربی میدان کے علاقے کے تھاروؤں کو اردماگدھی پیرست تھارو کہتے ہیں ۔

نیپال کے مغربی میدانی علاقوں بانکے ، وردیا ، کپل بستو ضلعوں میں اودھی زبان بولی جاتی ہے تلسی داس کا رام چیتر مانس اودھی زبان میں ہے ۔ لیکن نیپال میں آباد اودھی زبان دان اپنی طرف سے پراگندہ نظر آتے ہیں ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق اودھی زبان بولنے والوں کی تعداد ۳۹۵۹۵۰ تھی ۔

نیپال میں ناجپوری زبان کو راج بنسی زبان بھی کہتے ہیں اس کا تعلق ہندوستان کے ناجپور سے ہے جو مغربی بنگال میں ہے نیپال میں یہ تاجپوری یا راج بنسی موزنگ اور جھاپا ضلعوں میں بولی جاتی ہے ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی کل تعداد ۵۵۱۲۴ تھی ۔

دنواری کی بولی کو دنواری کہتے ہیں مردم شماری ۱۹۷۱ء کے مطابق ان کی کل تعداد ۹۹۵۹ تھی یہ دنوار لوگ مشرقی اور وسط اندرونی مدھیشیں (میدانی علاقے کے غیر پہاڑی لوگ)، کابھرے ، پلانچوک ، سندھو پال چوک اور نواکانٹ ضلعوں میں رہتے ہیں ۔

نیپال کے کوشی اور گنڈک جیسی بڑی ندیوں کے کنارے رہنے والے ماجھی قوم کی اپنی زبان

ہے جو ماجھی کہلاتی ہے اس قوم کا پیشہ کشتی چلانا اور مچھلیاں پکڑنا ہے۔ دنوار زبان ماجھی زبان سے تھوڑی بہت ملتی جلتی ہے یہ ایک دوسرے کے پڑوسی بھی ہیں ان کی تعداد تقریباً ۱۶۰۰ ہے۔

دیہرے زبان بولنے والے تنہوں، پالپا اور چیتون ضلعوں میں آباد ہیں ان کی زبان کا مطالعہ ابھی تک نہیں ہو پایا ہے ان کی تعداد ۴۸۰ ۲ بتائی گئی ہے اس طرح بوٹے زبان بولنے وال قوم کا مطالعہ جاری ہے۔ ان کی زبان اور رسم ورواج کے متعلق تری بھون یونیورسٹی کاٹھمانڈو کے ایم، اے کے طلباء و طالبات کے ذریعے مختصر تحقیق کرائی جا رہی ہے ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار بتائی گئی ہے۔ یہ قوم گنڈک ندی کے کنارے رہتی ہے اس قوم کی زبان دورے اور ماجھی زبانوں سے مطابقت رکھتی ہے۔ ان کے علاوہ دورا، کسنڈا، راؤٹیا، کائیکے، چھنیال بارا پاچے، بانتر، موڑمی وغیرہ بہت سی زبانیں ایسی ہیں جن کا ابھی تک کچھ بھی مطالعہ نہیں کیا جا سکا ہے دورا زبان تو تقریباً ختم ہی ہو چکی ہے آج سے تقریباً ۷۵ سال قبل دورا زبان بولنے والے لوگ مغربی نیپال میں آباد تھے۔ نیپال کے ماہر تاریخ بابو رام آچاریہ دورا زبان کے متعلق جانتے تھے لیکن ان کے انتقال کے بعد گمان غالب ہے کہ کوئی ایسا مورخ نہیں ہے جو دورا زبان کے متعلق کچھ بتا سکے۔ اس طرح نیپال میں بہت سی زبانیں یا تو دم توڑ چکی ہیں یا دم توڑتی ہوئی نظر آ رہی ہیں جن پر تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔

نیپال میں چوہریٹی نام سے بھی ایک بولی رائج ہے سولھویں اور سترھویں صدی میں نیپال میں چھوٹے چھوٹے صوبے (SITY STATE) میں بٹا ہوا تھا ان صوبوں کے راجاؤں

کونن موسیقی سے کافی دلچسپی تھی لہٰذا ان راجاؤں نے موسیقی کا علم حاصل کرنے کے لئے ہندوستان سے مسلمان استاذوں کو اپنے یہاں بلوایا ان مسلمان استادوں کے ساتھ ان کی عورتیں بھی گئیں اور ان کے بچے بھی، مرد تو اپنے فن موسیقی کے مظاہرے میں مصروف رہے اور ان کی عورتیں گھر گھر جاکر کانچ کی چوڑیاں، سندور اور عورتوں کے بناؤ سنگار کی دوسری چیزیں فروخت کرنے لگیں ان کے ذریعہ معاش کا یہ مشغلہ آج بھی زور و شور سے جاری ہے یہ مہاجرین مرد اور عورتیں نیپالی زبان سے ناآشنا تھے اور مقامی لوگ اردو سے ناواقف اس لئے دونوں طرف سے زبانوں کو توڑ مروڑ کر بولا جانے لگا تاکہ اپنا کام چلایا جا سکے اسطرح یہ بھی ہوا کہ اردو کے بہت سے الفاظ نیپالی زبان میں داخل ہو گئے اردو کے کچھ الفاظ آج بھی اپنی اصلی شکل میں نیپالی میں رائج ہیں اردو کے الفاظ کی بدلی ہوئی شکلوں کی تعداد نیپالی میں خاص ہے چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

اردو	نیپالی	اردو	نیپالی
کاجل	گاجل	کاغذ	کاگت
قائم	قایم	بے ایمان	بیمانی
دو	دوئی	سچ	سانچی
گیارہ	اگارہ	بیاہ	بیہا
بیس	بیسی	گھاس	گھانس
بھاؤ	بگاڈ	عمر	عُمیر

اردو	نیپالی	اردو	نیپالی
کمر	کمبر	ہونٹ	اونٹ
ڈھیر	دھیر	بجلی	بجول
فرق	فرقی	چاول	چانول
تمہارا	تمرو	گاؤں	گاؤں
آنکھ	آنکھی۔ آنکھا	رونا	رونے
کرنا	گرنا	میٹھا	میٹھو
حضور	حضُور	ٹھکانا	ٹھکانا
اماں	اما	چل	چلی
ہنسی	ہانسی	پسینہ	پسینو

اس طرح کے متعدد الفاظ اردو کے نیپالی زبان میں رائج ہیں نیپالی ادب کے ایک ماہر بال کرشن پوکھریل کا یہ خیال ہے کہ چوربٹی بولی کے مطالعے میں پوکھریل سے کچھ چوک ہوئی ہے چونکہ چوربٹی بولی اس قوم کی بولی ہے جو ہندوستان سے عہد مغلیہ میں نیپال میں موسیقی کا فن سکھانے گئے تھے ان کی زبان اردو تھی اردو اور نیپالی زبان کے اختلاط سے جو زبان نیپال میں پیدا ہوئی وہ چوربٹی کہلائی۔ اسے ایک منفرد زبان تو نہیں کہہ سکتے البتہ یہ اردو اور نیپالی کے اختلاط سے پیدا شدہ ایک نئی زبان ضرور ہے۔ دیسی کے طور پر اردو آوازیں، قواعد اور لغت کو نے

سکتے ہیں جس کی زیادہ تر خصوصیات چیرپٹی زبان میں ملتی ہیں یہ مماثلت انہی اختراعات کا نتیجہ ہے

تاریخی تناظر

نیپال میں نیپالی زبان رائج ہونے سے قبل وہاں کتنی زبانیں تھیں اور کس زبان کو اہم مقام حاصل تھا اس کا پتہ ابھی تک نہیں چل سکا ہے البتہ تحقیق جاری ہے۔ چوتھی سے ساتویں صدی تک نیپال پر لچھویوں کی حکومت تھی قیاس کیا جاتا ہے کہ لچھویوں کی مادری زبان ماگدھی تھی لیکن قومی زبان سنسکرت تھی ممکن ہے کہ اسکی وجہ یہ رہی ہو کہ ماگدھی کو کمتر درجے کی زبان مان کر سنسکرت کو قومی زبان بنایا گیا ہو کیونکہ قدیم سنسکرت ڈراموں میں کمتر درجے کے لوگ ہی ماگدھی میں بولتے ہیں۔

یہاں واضح ہو کہ ماگدھی ہندوستان کے وسیع علاقے میں بولی جاتی تھی مختلف جگہوں پر مختلف ناموں سے یاد کی جاتی تھی بنگال میں پراچیہ گوڑ اور ڈھکی تھی جس سے موجودہ آسام کی آسامی اور بنگال کی بنگالی زبانیں نکلیں۔ اڑیسہ میں یہ اُتکل کہلائی جس سے موجودہ اڑیہ نکلی بہار کی تمام بولیاں اسی ماگدھی زبان سے نکلی ہیں اس کو حسب ذیل جدول کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے

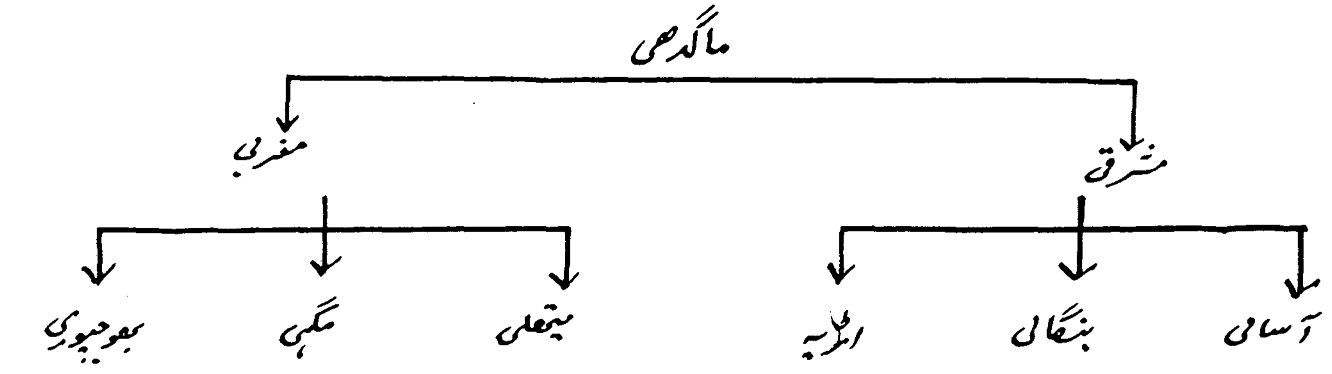

اردھا ماگدھی

↓

مشرقی ہندی

↓ اودھی | ↓ باگھیلی | ↓ چھتیس گڑھی

ان تمام زبانوں اور بولیوں کا نیپال میں رواج تھا جس کا ذکر پچھلی سطور میں کیا جا چکا ہے ظاہر ہے کہ یہ تمام زبانیں یا بولیاں ہندوستانیوں کی وساطت سے نیپال پہونچی ہونگی اور نیپال کی مقامی زبانوں اور بولیوں کو متاثر کیا ہوگا ۔

لچھویوں کے بعد کاٹھمانڈو میں مل راجاؤں کی حکومت چھ سات سو برسوں تک رہی مل نیواری قوم سے تعلق رکھتے ہیں اس طرح ملوں کی مادری زبان بھی نیواری تھی لیکن ان کی قومی زبان بھی سنسکرت ہی رہی ہوگی کیونکہ نیواری تبتی وبرمی خاندان کی زبان ہے اس وقت آریا زبان بولنے والے بھی ان کی محکوم بن چکی تھی جو نیواری زبان سے ناواقف تھی آریا زبان دان کے ساتھ وسط مشرقی مل راجے ممکن ہے کہ میتھلی بولتے ہوں گے اس کا ثبوت مل راجاؤں کی میتھلی میں ڈراماؤں کی تخلیق ہے ۔

موجودہ نیپال کی جغرافیائی حالت کو سامنے رکھنے سے نیپالی زبان کی ایک منفرد اور جدا شکل سامنے آتی ہے نیپال کے جنوبی علاقوں میں بنگلہ ، میتھلی ، مگہی ، بھوجپوری اور اودھی زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں بنگلہ ، میتھلی ، مگہی اور بھوجپوری کی ترقی مگدھی اپبھرنش سے ہوئی ۔ اگر زبان

وبیان کے نظریے سے دیکھا جائے تو نیپالی زبان کا ان سے گہرا میل نہیں ۔ نیپال کے مغربی علاقے میں گڑھوالی، کمایونی، راجستھانی، مالوی، نیواری زبانیں بولی جاتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ گجراتی سے زیادہ مماثلت رکھتی ہے۔ قنوجی اور برج بھاشا کے ساتھ بھی نیپالی زبان کا گہرا تعلق ہے۔ راجستھانی، برج، گجراتی وغیرہ شورسینی سے نکلی ہیں اس طرح زیادہ تر نیپالی ادیبوں نے نیپالی زبان کو شورسینی سے وابستہ مانا ہے۔ گڑھوالی، کمایونی وغیرہ کھس اپبھرنش سے نکلی ہیں اس طرح نیپالی کو کچھ ادیبوں نے کھس اپبھرنش سے پیدا شدہ زبان مانا ہے۔ اس طرح نیپالی زبان کی پیدائش کے متعلق ادب کے ماہروں میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ نیپالی ہند آریائی خاندان کی زبانوں میں سے ایک ہے جس کا جنم سنسکرت اور اس کی بولی مغربی ہندی سے ہوا ہے ۔

DISS
O,1595,1 & 168
168N7

موجودہ دور میں بھی نیپالی زبان کو کھس یا گس کہا جاتا ہے نیپال کے نیواڑ، لمبو، رائی منگر، گرنگ وغیرہ قوم کے لوگ نیپالی زبان کے بولنے والوں کو اور ان کی زبان کو کھس ہی کہتے ہیں ڈاکٹر سنیتی کمار چیٹرجی نے نیپالی، کمایونی اور گڑھوالی زبان کی پیدائش کھس اپبھرنش سے بیان کی ہے۔ نیپال پہاڑوں کا ملک ہے اس لئے اس کو پہاڑی زبان بھی کہا گیا ہے ڈاکٹر سر جارج گریرسن نے بھی اس کو مشرقی پہاڑی کہا ہے اس کو پربتے بھاشا یا پربتیا بھاشا بھی کہا گیا ہے۔ نیپال میں ایک ضلع پربت نامی ہے لہذا اسکی مناسبت سے اس کو پربتیا بھاشا کہا گیا ہے۔ سیاسی ریاست کا راجا کھس تھا کھسوں کا راج پربتوں کا راج تھا۔ سندرانند

TH-4587

پانڈے نے اس زبان کو پاروتی بھاشا کہا ہے شری ۵ بڑا مہاراج دھیراج پرتھوی نرائن شاہ نے سترہ سو اڑسٹھ ۱۷۶۸ء میں چھوٹے چھوٹے صوبوں میں بٹے نیپال کو پہلی بار یکجا کیا اور ایک مکمل ملک بنایا۔ وہ گورکھا کا راجا تھا آج کل گورکھا نیپال کا ایک ضلع ہے۔ نیپالی زبان گورکھا کے راجا کی مادری زبان ہونے کی وجہ سے اس کا نام گورکھا زبان ہو گیا گورکھا زبان سے گورکھالی زبان اور ذاتی گورکھالی کہدئی اس کو سنسکرت میں گور، بھاشا، گورکھا بھاشا اور انگریزوں نے اس کو گورکھالی زبان کہا ہے۔ کاٹھمانڈو کے قدیم پتھروں میں کھوی اس زبان کو "بھاشا" دیش بھاشا، سودیش بھاشا اور گری راج بھاشا بھی کہا گیا ہے۔ پنڈت شکتی ولّبھ آرجال نے اس کو لوک بھاشا اور ودھیاپتی نے اس کو راج بھاشا کا نام دیا ہے۔ راجا جے بہادر سنگھ نے اس کو "پراکرت بھاشا" کہا ہے۔

"نیپالی زبان" نام سب سے پہلے ایک نیپالی ادیب نے اپنی کتاب نیپالی زبان کی قواعد (GRAMMER OF THE NEPALI LANGUAGE, CULCUTTA 1820) میں دیا ہے اس سے قبل ۱۸۱۱ء میں کرک پیٹرک نے (AN ACCOUNT OF KINGDOM OF NEPAL, LONDON, 1811) میں اس کو پربتی زبان کہا ہے۔ شروع کے نیپالی قواعد میں بھی اس کو گورکھالی زبان ہی کہا گیا تھا لیکن پھر بعد میں نیپال ملک کے نام کی مناسبت سے اس زبان کا نام نیپالی پڑا۔

نیپالی زبان کی تاریخی نشو و نما کی ترتیب

نیپالی زبان کی تاریخ کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :

(۱) قدیم نیپالی (ANCIENT NEPALI) ابتدا سے پندرھویں صدی تک

(۲) وسطی نیپالی (MEDIEVAL NEPALI) پندرھویں صدی سے انیسویں صدی تک

(۳) جدید نیپالی (MODERN NEPALI) انیسویں صدی سے دور حاضر تک

قدیم نیپالی : نیپالی زبان کا قدیم دور اس کے فروغ اور پھیلاؤ کا دور ہے اس کا خاص مقام کرنالی انچل ہے یہ زبان آہستہ آہستہ مشرق کی جانب بڑھ رہی تھی۔ تیرھویں صدی کے آغاز میں کاٹھمانڈو پر حملہ کرنے والے کھس راجہ جیتاری مل، ریپو مل، اور ادتیہ مل راجاؤں کے ساتھ آئے کچھ قدیم نیپالی بولنے والے کھس مشرق کے علاقوں میں رہنے لگے تھے۔

آج تک حاصل قدیم تر نیپالی زبان کا نمونہ ۶۹۸۱ کا حاصل ہوا ہے۔ شری پیر دن پیر کاشی نیپال پاشری نے اس نمونے کو حاصل کیا اور اس کو روشنی میں لایا۔ مغربی نیپال پہاڑ کا ڈلّو کوٹ میں حاصل کھس راجا راموپال کا کھنڈپال لکھا ہوا سبق اس طرح ہے

(1) ॐ .... दो

(2) हुँ .... दा

(3) भुपाल .... भुपाल

(4) रैघ भर्डु । किछणु अ

(5) डुँको भाडु ।। स ॐ

(6) पाल अहुँ सा ६०३

'अडुँ' 'भाडु' 'रैघ भर्डु' مندرجہ بالا نمونوں میں نیپالی الفاظ

آج بھی نیپالی زبان میں استعمال ہوتے ہیں ۔

ایک دوسری دستاویز سنہ ۱۱۰۱ء کی سنجا کا کھس راجہ مل کی ملتی ہے

اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں!

(1) ॐ स्वस्ति अविकल भुवन मेरा द्वहन धैर्य

माधुर्य विर्ति कदवादीभिर्वि भुवित

(2) सिंजाभिधानाम धीश्वर सामन्त मंडली मौलिमणिवृत

चरणसरोज समरि

(3) जनमुत: श्रीमन्महार राजाधिराज संग्राममल

देवानम् पादा शेलर

(4) साके १०११ भाद्रपद सुदि ५ तिथि भौमे ।

राइका भाव । कड्माक

(5) गोलाबृफ यायो अधिकारी कार्कि महतमोप्राति
संग्राममल्ल आदित्य

اس دستاویز کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زبان پہلی دستاویز کی زبان کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ ہے یہ دونوں دستاویزات نیشنل میوزیم کاٹھمانڈو میں ابھی تک محفوظ ہیں۔

اس سلسلے میں تیسری دستاویز ۱۸۱ سال کے بعد کی "سنجا کا کھس راجا اکسے مل" کی شاکے ۱۱۹۲ مطابق ۱۲۷۰ء کا ملتی ہے جو تانبے کی تختی پر کندہ ہے یہ تختی زبو کادھ گاؤں کے سابق پردھان شری رائے بہادر شاہی کے پاس محفوظ ہے اس میں پندرہ سبق لکھے ہوئے ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) ॐ स्वस्ति ।। सिंजा पुपी सभाविसन दुर्लभपीठ
नामध्यमं त्रिर्मस्थल सभा विसन

(2) प्रतिष्ठितेष्ठ देवता परिचर्या परायण राजवंश
नारायण शुक्रा चार्मीद गाळ्या

(3) यण प्रभृति मुनिजनोक्त नीतिशास्त्र निपुण
विद्यार्जुन राज प्रताप मार्तण्ड

(4) प्रतिज्ञा परायणोक प्रम गुणराधन साहस वीर
वेतालादि विक्रमादित्य

(5) शक शालवाहनादि नामवंशा नारायण समुद्रबैन्द्र

नारायण

(6) दीप नारायण प्रज्वलित शक्ति मंडित राजभुजबल

यशाका सरस्वती

اس طرح قدیم ترین نیپالی زبان تحریری شکل میں ۹۸۱ء میں ملتی ہے۔ پندرھویں صدی میں نیپالی زبان دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ــــ مرکزی نیپالی اور مشرقی نیپالی۔ اس سلسلے میں نیپالی ادیب چوڑامنی بندھو کا کہنا ہے کہ مشرقی نیپالی اور مرکزی نیپالی کی تاریخی تقسیم کرناکی عوامی تہذیب حصہ۔ ۴ زبان میں منسلک " نیپالی اور سنجالی کا تاریخی تعلق" نامی مضمون میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ اس کے مطابق مشرقی اور مرکزی بولیوں کی تقسیم ۱۲۲۵ء سے ۱۵۳۳ء کے درمیان مانی گئی اس طرح نیپالی زبان کا قدیم عہد پندرھویں صدی تک ماننا مناسب ہے۔

وسطی نیپالی: یہ نیپالی زبان کی نشو ونما کا دوسرا دور ہے سولہویں صدی میں اس زبان کو بڑی تیز رفتاری سے ترقی دی۔ پالپا کا راجا مکند سین (۱۵۱۸ء تا ۱۵۵۳ء) کی حکومت کوشی ندی کی دوسری جانب وجے پور تک ہو گئی۔ مکند سین کی فوج نے نیپالی زبان کو ہندوستان کے سکم تک پہونچایا۔ اب نیپالی زبان کی ملاقات بھوجپوری اور میتھلی کے ساتھ ساتھ تبتی برمی خاندان کی

دوسری زبانوں سے ہوئی۔ کاٹھمانڈو کے تینوں پالیامل صوبوں میں نیواڑی کے ساتھ ساتھ میتھلی بھی ادبی زبان تھی۔ قدیم نیپالی وسنجالی کی خاص زبان بھی قومی زبان کی شکل میں ان ہی کھس راجاؤں کی وجہ سے ترقی کر رہی تھی۔ لیکن پندرھویں صدی کے آخر میں اس نے اپنے قدیم اور فرسودہ حقیقتوں کو ترک کیا اور وسطی دور کی بہترین صفتوں کو اپنایا۔ سولہویں صدی کے بعد کرنالی انچل چھوٹے چھوٹے صوبوں میں منقسم ہو گیا۔ چودھویں صدی ہی میں کھس حکومت کا خاتمہ ہو گیا انہی کھسوں میں سے اعلیٰ طبقے کے کھسوں نے چھوٹے چھوٹے آزاد صوبوں کی بنیاد ڈال تھی یہ چھوٹے چھوٹے صوبے بائیسی اور چوبیسی صوبے کہلائے ان کی زبان بھی کھس ہی تھی ان کے مختلف دستاویزات بھی ملے ہیں انہی کے دور سے بھان شاہی، سرطی شاہی، بھیموم شاہی، ساشمل شاہی، ویر بعدر شاہی، جہانگیری شاہی، سورت شاہی وغیرہ راجاؤں کی دستاویز بھی حاصل ہوئے ہیں۔

اس دور میں نیپالی زبان کے لوگ مشرقی پہاڑوں میں بھی پھیلتے گئے۔ وسطی نیپال میں ان کی ملاقات تبتی برمی اور آگنے قوم کی زبان سے ہوئی۔ اس طرح یہ رابطے کی زبان کے طور پر بھی پھیلی۔ کاٹھمانڈو اور اس کے مشرق میں آباد لوگوں کا بھی رابطہ اسی زبان سے ہوا الغرض یہ کہ یہ زبان نیپال کے تقریباً سبھی خطوں میں پہونچ گئی اور یہی وجہ ہے کہ شری ۵ پرتھوی نرائن شاہ کو نیپال کو یکجا کرنے میں آسانی ہوئی۔ اس وسطی دور میں ادبی اور سماجی اہمیت کی کتابیں تخلیق ہوئیں۔ شروع میں علاج و معالجے سے متعلق تین کتابیں ملتی ہیں ۔

(۱) ایک نامعلوم ادیب نے बाजपरिक्षा نامی کتاب لکھی اس کی تخلیق ۱۷۶۰ء کے

آس پاس ہوئی اس میں باز اور اس کے علاج کے بارے میں باتیں ملتی ہیں

(۲) وانی کلاس جیوتی ورد نے ۱۷۴۳ء میں जवरोत्पत्ति चिकित्सा

نامی کتاب لکھی جس میں بخار کی اقسام اور اس کے علاج، اس کے کھانے اور پرہیز کے

متعلق ذکر ملتا ہے۔

(۳) اس مضمون کے تحت داوا دل شاہ نے ۱۷۸۰ء کے آس پاس औषध रसायन

لکھی جو اس دور کا سرمایہ ہے۔

اس دور میں انسان کے کردار اور اخلاق کے متعلق بھی کتابیں لکھی گئیں اور چند سنسکرت

کتابوں کا بھی نیپالی زبان میں بھی ترجمہ ہوا۔

اس دور میں نیپالی ادب کی ہر صنف میں کچھ نہ کچھ لکھا گیا۔ سوانح عمریاں اور قصے

بھی لکھے گئے پرتھوی نرائن شاہ، پرتاپ سنگھ شاہ، رن بہادر شاہ، جنگ بہادر

رعنا وغیرہ کی سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ ۱۷۸۰ء میں گنگا وشنو دیوج نے अजीर्ण मंजरी

اور للاو نے بھی ۱۷۶۰ء میں अजीर्ण मंजरी نامی دو کتابوں کی تخلیق کی۔ پرتھوی نرائن

شاہ نے हितोपदेश لکھی جو نیپالی زبان و ادب میں اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔

پرتھوی نرائن شاہ کے ایک یکا کی فتح پانے کے بعد نیپالی زبان کا مرکز کاٹھمانڈو

ہو گیا اور یہیں سے اس کی ترقی و نشو ونما شروع ہوئی۔ بہادر شاہ کے زمانے میں نیپالی

کا دائرہ بہت وسیع ہوا۔ مشرق میں تشتا مغرب میں دہرادون، کماؤں اور گڑھوال بھی
نیپال میں آ گئے۔ ڈاکٹر تلکو چن کا کہنا ہے کہ گورکھا حکومت کے درمیان بہت سارے الفاظ
نیپالی سے کمایونی میں چلے گئے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی تک آتے آتے کمایونی زبان
نے اپنی ایک الگ شکل اختیار کر لی۔ جسے الگ سے ہی پہچانا جا سکتا ہے۔ اس طرح نیپالی زبان
کا اثر دارجلنگ، بھوٹان، سکم اور آسام تک پھیل گیا۔ اس دور میں ہندوستان پر انگریزوں
نے نیپال پر حملہ کر دیا اور اس کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا۔ کچھ وجوہ کی بنا پر انگریزوں کا نیپال
کے ساتھ ۱۸۱۶ء میں سگولی معاہدہ ہوا۔ اس معاہدہ کے مطابق دارجلنگ، کالی پونگ، سکم
دہرادون، کمایوں اور گڑھوال کو چھوڑ دیا اور نیپال گنج، بانکے، اور وردیا اضلاع
جو ہندوستان میں تھے نیپال کو ملے۔ سگولی معاہدے کی وجہ سے نیپال کا دائرہ تو محدود ہو
گیا لیکن زبان کا دائرہ محدود نہیں رہا۔ ۱۸۲۰ء میں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل
جے۔ اے ایڈمن نے نیپالی زبان کی پہلی قواعد لکھی۔ نیپال کے وزیر اعظم بھیم سین تھاپا
کے عہد میں سگولی معاہدہ کے تحت انگریزوں کا نیپال میں آنا جانا کافی بڑھ گیا اور انگریزی
زبان وہاں بھی پھیلنے لگی۔ ۱۸۸۵ء سے انگریزی فوج میں نیپالی نوجوانوں کو بھی لیا جانے لگا
اسی دور میں راج دھرم، گیت گوبند، مدراراکشش، مہابھارت اور رامائن جیسی
مذھبی کتابوں کا ترجمہ ہوا۔

اسی دور میں شعری ادب کو بھی فروغ ملا۔ شکتی بلّبھ، ادیا آنند، دیو کیسری

ودھیانند کیسری، اندرس، پدمناتھ پوکھریل، رگوناتھ پوکھریل جیسے بڑے شاعروں نے شعری مجموعوں کی تخلیق کی۔ بھانو بھکت آچاریہ نے نیپالی میں رامائن کی تخلیق کی موتی رام بھٹ نے نیپالی ادب میں سوانح عمریاں، تنقید، مضامین، غزل، خطوط وغیرہ کی تخلیق کی۔ سگولی معاہدے سے قبل نیپالی شاعروں نے "ویررس" میں شاعری کی تھی لیکن اس کے بعد نیپالی شاعروں نے تصوف کے رنگ میں شاعری کرنی شروع کر دی اور "ویررس" سے "شرنگار رس" کی جانب مڑ گئے۔ ۱۹۰۱ء میں "گورکھا پتر" اخبار کی اشاعت کے ساتھ ہی نیپالی زبان کا وسطی دور ختم ہو جاتا ہے اور نیپالی زبان عہد جدید میں داخل ہو جاتی ہے۔

جدید نیپالی :

بیسویں صدی میں نیپالی زبان ترشی ترشائی شکل میں نمودار ہوئی۔ اس کی شکل قدیم اور وسطی نیپالی سے مختلف ہے جدید نیپالی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں آکر اس زبان کی شکل، قواعد اور قوانین طے ہو گئے۔ یہ اب ایک آزاد اور منفرد زبان کی شکل میں وجود میں آئی۔ جدید محققین اب نیپالی زبان کے وجود اور اس کی بولیوں کی موجودگی کو قبول کرتے ہیں۔

نیپالی بولیوں کے بارے میں ماہرین لسانیات کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے ہندوستانی زبانوں کی تحقیق کے درمیان سر جارج گریرسن نے نیپالی کی دو بولیوں کی موجودگی سے اتفاق کیا تھا وہ بولیاں ہیں ـــ پالپا اور ڈوٹی۔ ٹرنل بل (TERNBULL)

نے ان دو بولیوں کے علاوہ تیسری بولی دارجلنگی بولی کی طرف بھی اشارہ کیا۔ سر جاوکرم نے نیپالی کی بولیوں کے کچھ الگ ہی نام دیئے ہیں ان کے مطابق ڈوٹیلی، جملی، اور دارجلنگی ایک دوسرا نیپالی ادیب پنڈت راہل سانکر تیاین نے اطراف کو بنیاد بنا کر نیپالی کی چار بولیاں بتائی ہیں ــــ مشرقی نیپالی، مرکزی نیپالی، ابتدائی نیپالی اور مغربی نیپالی۔ دوسرے ماہرین زبان نے بھی نیپالی زبان کے متعلق تحقیق کی ہے۔ دیانند شرما واستو، ڈبلو کلارک وغیرہ نے اس ضمن میں خاطر خواہ کام انجام دیئے ہیں۔ کلارک کے مطابق نیپالی کی تین ہی بولیاں ہو سکتی ہیں ــــ مشرقی، مرکزی اور مغربی۔ شری بال کرشن پوکھریل بھی کلارک کے خیال سے اتفاق رکھتے ہیں لیکن پوکھریل اپنی کتاب "راشٹریہ بھاشا" (۱۹۶۶) میں لکھا ہے کہ نیپالی زبان کی پانچ بولیاں اور تیرہ ذیلی بولیاں ہیں ان کی درجہ بندی اس طرح ہے

بولیاں	ذیلی بولیاں
(۱) پوروبلی	کھسانی، پروتی اور گورکھالی
(۲) ماجھالی	اسی درال، تبرے کوٹی، جملی اور راسن کوٹی
(۳) اوپر پچھیا	اچھائی، بجھانگی، باجورالی
(۴) مجھو پچھما	ڈوٹیلی، اور ادھل دھورالی
(۵) پر پچھما	بیت ڈیلی اور مہاکالی انچل میں بولی جانے والی بولیاں

پوروالی کی ذیلی بولیوں میں کھسانی، مراوتی، سلیان، روکوم، رولپا اور بھیری

کمشنری کے ڈیلکھ اور اچھام کوٹ ضلعوں میں بولی جاتی ہے پیروتی ، دھولاگری ، کمشنری کے مشرقی حصے لمبی اور گنڈکی کمشنری کے پہاڑی علاقوں میں بولی جاتی ہیں ۔ گورکھالی گورکھا ضلع کے مشرق میں بولی جاتی ہے ان تین ذیلی بولیوں میں سے کسی ایک ذیلی بولی کو دیگر ذیلی بولیوں والے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں ان میں کھسانی کے متعلق بہت کم مطالعہ ہوا ہے اور پیروتوا میں شیوراج نے ۱۹۷۳ء میں " زندہ نیپالی بھاشا " لکھی ہے گورکھالی سب سے بڑے علاقے میں بولی جانے والی ذیلی بولی ہے ۔ گورکھالی کچھ فرقوں کے ساتھ نیپالی کی ہی شکل سے ملتی ہے ۔

کھسانی میں نیپالی کے "ڈ" کا تلفظ "ر" اور "ہ" میں بدل جاتا ہے جیسے کہ

بڑو ۔ برو ، دھوڑو ۔ دھورو ، پڑھاؤنو ۔ پہاؤنو ، بڑھاؤنو ۔ بہاؤنو ۔

پیروتی میں "نے" ، "نی" ہو جاتی ہے جیسے کہ ۔

جانے ۔ جانی ، کھانے ۔ کھانی ۔

گورکھالی میں ساگرماتھا ، کوشی اور میچی کمشنریوں میں کچھ خاص پہچان واضح ہے :

(الف) کسی لفظ کے آغاز میں " ب ، پ ، بھ ، م ، س ، میں " و " جڑا ہوتا ہے مثلاً

پتی ۔ پوتی ، بھینس ۔ بھوئیس ، بہین ۔ بوئنی ، من ، مون

(ب) فعل کی حالت بھی کچھ الگ ہے جیسے کہ :

گئیوں ۔ گیوں ، گردے لو ۔ گردین ، گرے لو ۔ گریون وغیرہ

(ج) اسم اشارہ میں بھی کچھ خصوصیت پائی جاتی ہے جیسے :

ہائی ہرو - ہامیرو ، تمی ہروکو - تمیرکو ، تباپائی - تپے وغیرہ

ذیل میں کچھ بولیوں اور ذیلی بولیوں کے جملے درج ہیں جن کے تقابلی مطالعے سے ان زبانوں اور بولیوں کے درمیان فرق پر روشنی پڑتی ہے :

(۱	گورکھالی	میلے کرو سنے (میں نے بات سنی)
(۲	کماؤنی	میلے بات سنی
(۳	پربچھیما	موئی لے کرا سنیا
(۴	مجھوچھیا	میلے کُرڑی سنیو
(۵	گورکھالی	تمی لے کرو سنیو (تم نے بات سنی)
(۶	کماؤنی	تم نے بات سنی
(۷	پربچھیما	تیلے کرڑی سنیا
(۸	مجھوچھیا	تیلے کرڑی سنیا
(۹	گورکھالی	اس لے کرو سنیو (اس نے بات سنی)
(۱۰	کماؤنی	ویلے بات سنی
(۱۱	پربچھیما	اس لے کرڑی سنی
(۱۲	مجھوچھیا	...... اُس لے کرڑی سنی

ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیپالی اور پربچھیما کے درمیان قواعد کے ساتھ ساتھ

الفاظ میں کبھی فرق ہے۔ الفاظ کو یکسر بدلے ہوئے ملتے ہیں نیپالی زبان کے لسانی مطالعے میں بیسوی صدی اہم رول ادا کرتی ہے اس دور میں نیپالی زبان و قواعد کو کافی فروغ ملا۔ باضابطہ طور پر اخبار اور دیگر جرائد شائع ہونے لگے۔ نیپالی زبان کی درس وتدریس کے لئے اسکول، کالج اور یونیورسٹی کا قیام وجود میں آیا۔ مختلف اکادمیاں کھولی گئیں۔ ملکی اور غیر ملکی ماہرین نے لغت، قواعد اور جدید ادب کی تخلیق کی۔ اس طرح نیپالی زبان کی بہت سی کتابیں منظر عام پر آئیں۔

باب دوم

اردو اور نیپالی کے لسانی رشتوں

کے

اسباب و محرکات

ایک قوم دوسری قوم سے اختلاط کے وقت ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کرنا چاہتی ہے اس کے لئے وہ ایک دوسرے کی زبان سمجھنے اور اس کو استعمال کرنے پر مجبور ہوتی ہے اگر صورت حال یہ ہو کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم پر اپنا تسلط جما رہی ہو تو وہ محکوم قوم پر اپنی زبان مسلط نہیں کرتی بلکہ اسے محکوم قوم کی زبان سیکھنے سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے تاکہ محکوم قوم کے مزاج کو سمجھ سکیں اور اسے اپنا تسلط برقرار رکھنے میں آسانی ہو۔ دوسری طرف محکوم قوم اپنی حاکم قوم کی زبان سیکھنا اور بولنا باعث فخر سمجھتی ہے چنانچہ وہ حاکم قوم کی زبان کی طرف متوجہ ہوتی ہے تاکہ وہ ان کی تہذیب و تمدن کو جان اور پہچان سکے اور اپنی معاشی، سماجی اور سیاسی مسئلوں کو بآسانی حل کر سکے مثال کے طور پر جب انگریزوں نے ہندوستان پر اقتدار حاصل کر لیا تو ان کے سامنے ایک بڑا مسئلہ ہندوستانی زبانوں سے ناواقفیت کا تھا ادھر ہندوستانی عوام بھی انگریزی زبان سے نا آشنا تھے۔ انگریزوں نے ہندوستانی زبان سیکھنے کے لئے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ وہاں اردو سیکھنے اور سکھانے کا معقول انتظام اس لئے کیا گیا کہ یہ زبان ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے وقت یہاں LINGUA FRANCA یعنی عوام کے درمیان رابطے کی واحد زبان تھی۔ دوسری طرف یہ بھی کوشش ہو رہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ ہندوستانیوں کو انگریزی سکھائی جائے ان باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اردو انگریزوں میں اور انگریزی ہندوستانیوں میں عام ہو گئی۔ اس طرح اردو (ہندوستانی) کی ترویج و اشاعت

کے کافی مواقع فراہم ہوگئے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہندوستان زمانۂ قدیم سے ہی مختلف تہذیبوں اور قوموں کا گہوارہ رہا ہے یکے بعد دیگرے کئی اقوام یہاں آتی رہیں اور اپنی تہذیب کے گل بوٹے کھلاتی رہیں ان آنے والی قوموں کے ساتھ ان کی تہذیب، کلچر اور زبانیں بھی آئیں۔ جب نوواردوں اور مقامی لوگوں کے درمیان اختلاط ہوا تو ایک مشترکہ کلچر اور زبان بھی ابھر کر سامنے آئی۔ آج انہیں چیزوں سے ہندوستان کی پہچان ہے۔ نیپالی اور ہندوستانی (خصوصاً شمالی ہند کے لوگ) عوام بھی سیاسی، سماجی، مذہبی اور تجارتی ضروریات کے تحت عہد قدیم سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہوتے رہے ہیں یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اس کا ایک نتیجہ نکلا کہ نیپالی زبان و ادب اور تحریر و تصنیف کے علاوہ عوامی بول چال میں بھی دیگر ہندوستانی زبانوں کے علاوہ اردو فارسی اور عربی کے بے شمار الفاظ شیر و شکر ہوگئے ہیں۔ نیپالی میں مستعار فارسی اور عربی کے الفاظ اردو ہی کے ذریعے نیپالی میں پہونچے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ۱۰۰۰ء کے آس پاس جدید ہند آریائی زبانوں کے ارتقاء کے مراحل شروع ہو چکے تھے دوآبا اور اور اس کے گرد و نواح یعنی شمالی ہند کے جن علاقوں سے نیپال کے قریبی تعلقات زمانۂ قدیم سے تھے وہاں کھڑی بولی ہی بولی جاتی تھی گرچہ اس وقت دفتری زبان فارسی تھی لیکن یہ مشترکہ زبان (اردو) خانقاہوں، بازاروں اور درباروں میں بولی اور سمجھی جاتی تھی اس زبان کی ترقی و توسیع میں بنیوں اور سنتوں کا بہت بڑا رول رہا ہے۔ سولہویں

صدی سے یہ شعر کی زبان ادبی صورت اختیار کرنے لگی اور مقبول خاص و عام ہوگئی ۔

نیپالی زبان میں اردو کے بہت سے الفاظ بگڑی ہوئی شکل میں ملتے ہیں جیسے کہ کرنا کی جگہ گرنا ، کاجل کی جگہ گاجل ، موجب کی بموجم وغیرہ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نیپالیوں نے اردو کے الفاظ کو اپنے صوتی مزاج کے مطابق ڈھال کر بیان کیا ہو ۔

جیسا کہ پچھلے باب میں درج ہے کہ اردو اور نیپالی کے درمیان لسانی رشتے کی ایک بڑی وجہ ہند آریائی خاندان ہے دونوں ہند آریائی زبانیں ہیں ۔ ہورنلے اور گریرسن نے جدید ہند آریائی زبانوں کی درجہ بندی میں اس رشتے کو سمجھایا ہے ذیل میں جدول ملاحظہ ہو!

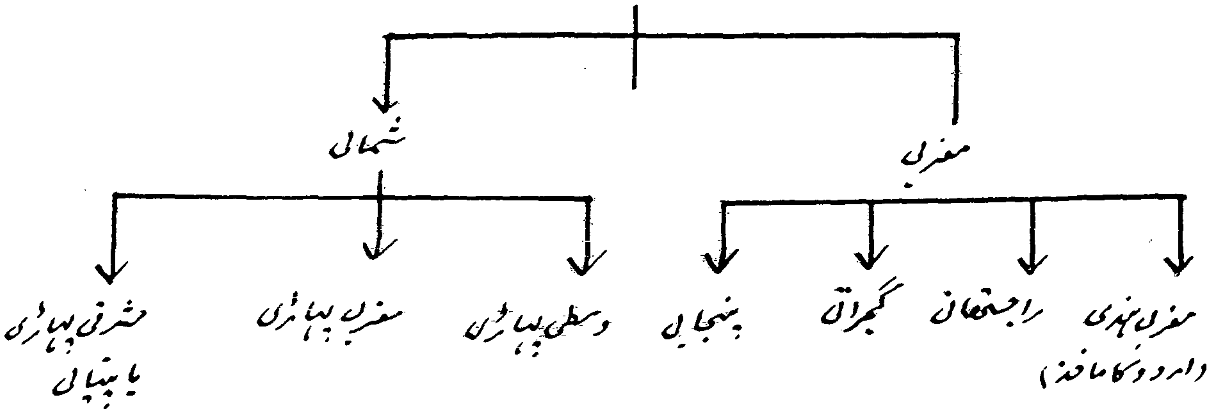

اس جدول سے اردو اور نیپالی کے درمیان رشتے کی نوعیت کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

اردو اور نیپالی کے باہمی تعلقات پر تفصیل بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ نیپال کی جغرافیائی اور سماجی بناوٹ پر ایک نظر ڈال لی جائے اس سے اردو اور نیپالی زبانوں کے رشتوں کو سمجھنے میں مدد ملے گی ۔

ہمالیہ کی گود میں دو خوبصورت ملک نیپال اور بھوٹان واقع ہے یہ دونوں ملک شروع
سے ہی خود مختار اور آزاد رہے ہیں۔ نیپال ایک لمبی گھاٹی میں بسا ہوا ہے یہاں ہمالیہ کی
شان پوری طرح نظر آتی ہے اور اسکی مشہور چوٹیاں جن میں دنیا کی سب سے اونچی چوٹی یہیں
واقع ہے اس کے مغرب میں دھولاگری مشرق میں کنچن جنگا کی پہاڑیاں اسکے آخر میں
شنکر ہیں۔ جو اس ملک کے حسن کو اور بھی دوبالا کر رہی ہیں۔ برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں
ایک عجیب سماں پیدا کرتی ہیں نیپال نے انہیں پہاڑوں سے مشہور ندیاں گنگا۔ برہماپتر
ستلج اور سندھ وغیرہ بل کھاتی ہوئی نکلی ہیں۔ گنگا کی وہ شاخیں جو نیپال سے ہوکر گذرتی
ہیں ملک کے طبعی حدود دان سے قائم ہوگئی ہیں ان شاخوں میں سے کچھ ہمالیہ کے شمالی حصے
سے نکلتی ہیں اور انکے اوپر کا حصہ تبت میں ہے اور نیچے کا حصہ نیپال سے ہوکر گذرتا ہے
یہ ندیاں نیپال کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے یہاں کے باشندوں میں
بھی بہت کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ نیپال کے پہاڑی حصوں کے باشندوں پر تبت کے اثرات ہیں
اور اسکے علاوہ ان میں آریوں کا میل بھی پایا جاتا ہے۔ نیپال کے ہمالیہ کے بلند حصوں سے
نیچے تنگ پہاڑی علاقے جو پنجاب سے جاکر ملتے ہیں۔ اس میں مختلف اقوام آباد ہیں
جن میں تبتیوں سے لیکر پنجابی تک شامل ہیں مذہبی عقائد کے اعتبار سے ان اقوام میں
ہندو، بدھ، مسلمان، سکھ اور وشنو کی پرستش کرنے والوں کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ نیپال کے
میدانی علاقوں میں زیادہ تر ہندوستانی نسل کے لوگ بسے ہوئے ہیں جن میں ہندو، مسلمان اور

بدھ خصوصاً قابل ذکر ہیں ۔

تاریخ کے ساتھ ساتھ موجودہ نیپال کی بناوٹ اور شکلیں گھٹتی بڑھتی رہی ہیں قدیم نیپال گھنی پہاڑیوں سے گھری ہوئی گھاٹیوں تک محدود تھا نیپال اور ہندوستان کے درمیان سرحد کو لیکر اختلافات بھی رہے ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں نیپال سرحد میں وسعت ہوئی۔ مشرق میں تشتا اور مغرب میں دہرادون کماؤں اور گڑھوال کے بہت سارے حصے نیپال کے اندر آگئے ڈاکٹر   چن پانڈے اپنی تصنیف میں نیپالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

،،گورکھا حکومت کے دوران کئی الفاظ نیپالی سے کماؤنی میں چلے آئے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی تک یہ زبان کماؤنی نے اپنی ایک مکمل شکل اختیار کرلی کیونکہ بعد میں پڑنے والے نیپالی کے اثرات بالکل عیاں ہیں جنہیں الگ سے ہی پہچانا جا سکتا ہے“[1]

اس طرح نیپالی زبان دہرادون، کماؤں اور گڑھوال کے علاوہ دارجلنگ، سکم آسام اور بھوٹان تک پھیل گئی تھی۔ اسی دوران برٹش حکمرانوں نے نیپال پر حملہ کردیا اور اس کے بہت سے حصوں پر قبضہ کرلیا۔ نیپال اور ہندوستان کے درمیان ۱۸۱۶ء میں سگولی معاہدہ ہوا اس معاہدہ کے موافق دارجلنگ، کالی پونگ، سکم، دہرادون، گڑھوال اور کماؤں کو نیپال نے چھوڑ دیا۔ بدلے میں نیپال کو نیپال گنج، بانکے اور وردیا اضلاع ملے۔

موجودہ نیپال اترپردیش اور بہار کے شمال، کالی ندی کے مشرق اور میچی کے

---

[1] کماؤنی بھاشا اور اس کا ساہتیہ۔ ڈاکٹر ترلوچن پانڈے۔ ص ۳۸

مغرب میں بسا ہوا ہے یہ ایک بہت ہی دلکش اور حسین ملک ہے اس کا رقبہ ۶۵۰۰۰ مربع میل ہے جس میں تقریباً دو کروڑ لوگ رہتے ہیں۔ جغرافیائی لحاظ سے نیپال کو چار مختلف حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

ہمالیائی علاقہ :

جس میں ایورسٹ، کنچن جنگا، دھولاگری اور مکالو وغیرہ برفیلی چوٹیاں اسکے محافظ کی طور پر شمال کی جانب کھڑے ہیں اسی میں اولان چنگ، کوتی، رسووا، سالپو، سنا نگ وغیرہ گھاٹیاں ہیں جن میں تمانگ، مرگی، اور سیرپا قوم کے لوگ رہتے ہیں۔

ہرا بھرا پہاڑی علاقہ :

یہ نیپال تمدن اور کلچر کا مرکز ہے۔ سمندر کی سطح سے اس کی اونچائی ۳۰۰۰ سے ۱۲۰۰۰ فٹ تک ہے ایلام، دھن کٹہ، بھوجپور، اوکھل ڈھنگا، پال چوک، نوا کوٹ، گورکھا، پوکھرا، میرکوٹ پالپا، تان سین، پیوٹھان، ڈوڈھی، بیتری، جملہ وغیرہ اہم مقامات اس حصے میں واقع ہیں۔ کراتی (رائی، لمبو) منگراتی یا منگر اور گرنگ وغیرہ اس کے اہم باشندے ہیں ان جگہوں پر ہر سال ہزاروں سیاح بغرض سیاحت آتے جاتے رہتے ہیں۔

پہاڑوں کے درمیان گھرا علاقہ :

یہ حصہ چاروں جانب پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے جس کی اونچائی سمندری سطح سے ۴۰۰۰ فٹ تک ہے۔ اس کے اندر کاٹھمانڈو اور گرد و نواح کے علاقے آتے ہیں۔

کاٹھمانڈو، للت پور (جسے پاٹن بھی کہتے ہیں) بھکت پور جو آج کل بھادگاؤں کے نام سے مشہور ہے اور جو نیپال آرٹ اور فوج کا مقام مانا جاتا تھا اور کیرتی پور جہاں آج کل تری بھون یونیورسٹی قائم ہے یہاں کے باشندوں کا ماضی بہت ہی پیادرانہ رہا ہے یہاں کے اہم باشندے نیوار اور چوریئے مسلمان ہیں۔

میدانی علاقہ: ہندوستان سے متصل نیپال کا یہ میدانی حصہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا اس کی اونچائی سمندر کی سطح سے ۱۵۰۰ سے ۳۰۰۰ فٹ تک ہے وراٹ نگر، راج وراج، کپل پور، سرہا، ویرگنج، نیپال گنج، تاپلیجونگ، منگلوا، بٹ سول اور جیتون وغیرہ اہم ہیں۔ یہاں کے باشندوں میں تھارو، اور دھیمال اور ہندوستانی نسل کے لوگ جن میں مسلمانوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے، اہم مانی جاتی ہیں۔

چنانچہ نیپال نام بہت ہی قدیم ہے تہرلوچن کی ارتھ شاستر میں نیپال نام کا ذکر آیا ہے۔ سمدرگپت کی ۳۸۲ – ۳۳۴ وکرمی دگ وجے سوچک الٰہ آباد کے اشوک مینار ہری سین کے مضمون میں نیپال کا نام آیا ہے لیکن اس کا شمار "بھارت کھنڈ" کے اندر ہی رہا ہے آج بھی سیاسی نقطۂ نظر سے نیپال ایک آزاد ملک ہونے کے باوجود تمدنی و تہذیبی لحاظ سے بھرت کھنڈ ہی کہلاتا ہے پوجا کرتے وقت نیپالی پنڈتوں کی زبان سے لفظ بھرت کھنڈ ہی نکلتا ہے۔ نیپال شاعر بھانو بھگت کا یہ اشلوک ہے

" بڑو درلبھ جانو بھرت بھومی کو جنم لے "

نیپال اور ہندوستان کی تمدنی و تہذیبی یکجہتی کو ثابت کرتا ہے ۔

ہندوستان اور نیپال کے درمیان باہمی تعلقات

اگر ہندوستان اور نیپال کی سیاسی، سماجی، اور تہذیبی تاریخ پر نظر ڈالیں تو دونوں ملکوں کے تعلقات کی نوعیتوں کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے ذیل میں ان تعلقات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے ۔

تہذیبی اشتراک :

زمانہ قدیم سے ہی ہندوستان کے ماہرین، علما و فضلاء اور فنکار حضرات خاص تعداد میں نیپال جاتے رہے ہیں ۔ عہد مغلیہ میں نیپال چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا ۔ اس دور میں دونوں ملکوں کے تعلقات استوار ہوئے جہاں سیاسی گٹھ جوڑ ہوئے وہاں یہ بھی ہوا کہ نیپالی راجاؤں نے ہندوستان کے ماہرین کو نیپال آنے کی دعوت بھی دی ان میں اردو بولنے والے مسلمان بھی شامل تھے مثال کے طور پر نیپال کے کچھ راجاؤں نے مسلمان ماہرین موسیقی کو اس لئے بلایا کہ نہ وہ صرف ان کے فن سے محظوظ ہوں بلکہ خود بھی یہ ہنر حاصل کریں ۔ ان مسلمان استادوں کے ہمراہ ان کے رفقاء اور عورتیں بھی نیپال گئیں ۔ ان نو واردوں کی زبان اردو تھی جس سے وہاں کے مقامی حضرات نا آشنا تھے اور یہ حضرات نیپالی سے ناواقف ۔ مقامی قوموں اور نو واردوں کے درمیان زبان کا لین دین ہوا ۔ اس اختلاط کے سبب اردو کے بہت سے الفاظ نیپالی میں منتقل ہوگئے عرب و فارس کے ساتھ تجارتی، سیاسی ثقافتی تعلقات کی وجہ سے عربی و فارسی کے جو الفاظ

نیپالی میں رائج ہو گئے۔ ان کو اردو بولنے والوں کے اختلاط سے مزید تقویت پہونچی۔ آج بھی اردو کے بہت سے الفاظ نیپالی میں بگڑی ہوئی شکل میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ نیپال میں مسلمانوں کی ایک نسل جریٹ ذاتی کے نام سے جانی جاتی ہے ان کی شکل و صورت ہندوستان کی پٹھان نسل سے مشابہت رکھتی ہے ان کی زبان چوریٹی ہے جس میں اردو کے بہت سے الفاظ شامل ہیں۔

نیپال ہندوستانی کلچر کا محافظ رہا ہے یہ بدھ مسلک کے لوگوں اور وقتاً فوقتاً مسلمان قوموں کو بھی پناہ دیتا رہا ہے تاریخ بتاتی ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصوں کے علم داں اور فنکار یہاں آتے رہے ہیں انہوں نے نہ صرف نیپالی تہذیب کو متاثر کیا بلکہ اس کی نشو و نما اور تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

جس طرح ہندوستان کے مختلف حصوں سے لوگ نیپال میں آباد ہو کر وہاں کی سماجی زندگی کو متاثر کرتے آئے ہیں وہاں یہ بھی ہوا کہ تجارت اور دوسری معاشی ضروریات کے تحت نیپالی عوام بھی ہندوستان میں آتے رہے۔ گیا، پھلواری شریف، بنارس، الہ آباد، متھرا، ورنداون، ایودھیا بیدری ناتھ، ہری دوار، فتح پور سیکری، اجمیر شریف اور دہلی وغیرہ نیپالیوں کا بھی پاک و مقدس زیارت گاہ رہا ہے۔ نیپالی ہندو اور مسلمان ان جگہوں پر بغرض زیارت زمانۂ قدیم سے ہی آتے رہے ہیں۔ کئی نیپالی ادیب و شاعر ایسے ہیں جنہوں نے یہیں بس کر نیپال میں ادب کی تخلیق کی ہے۔

نیپالی فن و آرٹ شمالی ہند کا اثر بہت زیادہ نمایاں ہے۔ ان پر خصوصاً عہد مغلیہ

کی گہری چھاپ ہے ۔ نیپال اور ہندوستان دونوں ملکوں کے ہندو مسلمانوں کے تہوار منانے کا طور طریقہ بھی ایک جیسا ہے

شادی بیاہ : شادی بیاہ کا رواج دونوں ملکوں کے درمیان زمانہ قدیم سے ہی چلا آ رہا ہے۔ ہندوستانی امراء و بادشاہوں نے بھی شادیاں رچائیں۔ بتایا جاتا ہے کہ نواب واجد علی شاہ نے بھی کئی نیپالی لڑکیوں کو نکاح میں لاکر اپنے محل میں رکھا تھا آج بھی دونوں ملکوں کے درمیان خصوصاً سرحدی علاقوں میں ایک دوسرے کے درمیان شادی بیاہ کا رواج برقرار ہے۔ ان ملکوں میں شادی کے رسم و رواج اور طور طریقے تقریباً یکساں ہیں جو دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں ان رشتوں نے دونوں ملکوں کی زبانوں کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے

سیاست : دھرماکرے (جنہوں نے غالباً سب سے پہلے نیپال کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لی تھی) لیکر آج تک ہندوستان کے خصوصاً موجودہ اردو ہندی کے مشترکہ علاقوں کے لوگ خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، دونوں نیپال میں پناہ لیتے رہے ہیں وہ پناہ لیکر وہاں نہ صرف رچ بس گئے بلکہ انہوں نے نیپالی ریاستیں بھی حاصل کیں نیپال کے آدی باسی کرانت مانے جاتے ہیں ان کی ایک بڑی ریاست تھی نووارد ہندوستانی مہاجروں نے انہیں پیچھے ڈھکیل دیا اور ان کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ کھس قوم کی ایک شاخ شمالی ہند کے اردو ہندی علاقوں سے گذر کر نیپال میں مغرب سے مشرق کی جانب بڑھی

کھس قوم آریوں ہی کی ایک شاخ ہے مل قوم کی دو شاخیں نیپال میں پائی جاتی ہیں ایک وہ جنہوں نے جملہ میں اپنی ریاست قائم کی یہ مل شمال ہند سے نیپال گئے تھے انہیں شمال ہند سے بھاگنا پڑا تھا اور گنڈک ندی کے کنارے بس گئے تھے ڈاکٹر ریگمی کے مطابق جملہ کے مل کی حکومت شمال میں مغربی تبت تک پھیلی ہوئی تھی۔[1] گوشیف ٹوسی ان ملوں کی آمد گڑھوال سے مانتے ہیں[2] دوسری مل شاخ وہ ہے جسے ۱۲۲۸ء میں غیاث الدین نے شکست دی تھی اور جو بھاگ کر سمرون گڑھ ہوتی ہوئی نیپال پہونچی پرتاپ مل کے پتھروں پر کندہ قدیم تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آبا و اجداد کرناٹک سے نیپال گئے۔ یہ لوگ نیپال جانے سے قبل شمالی ہند کے اردو ہندی کے مشترک علاقوں میں رہ چکے تھے۔ شاہی خاندان کو کچھ لوگ چتوڑ سے متعلق مانتے ہیں جو نیپال جانے سے قبل کماؤں میں جاکر بسے تھے کچھ لوگ اس خاندان کو مشرقی و مغربی ہندوستان سے آیا ہوا مانتے ہیں جو بھی یہ خاندان مسلمانوں سے شکست کھاکر نیپال میں جابسا تھا اور اسے نیپال جانے کے لئے اردو کے علاقوں سے ہوکر ہی گذرنا پڑا تھا بائیسی اور چوبیس ریاستوں کے حکام تقریباً سبھی کے سبھی اردو ہندی کے علاقوں کے رہنے والے تھے انہوں نے وقتاً فوقتاً نیپال میں پناہ لی اور ساتھ ہی ساتھ وہاں ریاستیں بھی قائم کیں ان کا تعلق ہندوستان کے راجپوت خاندان سے تھا وہ مغلوں کے زیر اثر تھے ان کے سرکاری نظام پر دہلی کی پوری گرفت تھی۔ نیپالی عوام نے بھی خود کو اسی رنگ میں رنگ لیا۔

نیپال نے قانون اور قاعدے بھی مغلیہ سلطنت سے مستعار لئے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج

---

1. Modern Nepali - Dr. Regmi, page-3
2. Nepal: The Discovery of Mall - G.Tucie, page-57

بھی نیپال کی عدالتی زبان نیپالی اور دیگر زبانوں کے بجائے اردو فارسی اور عربی کے الفاظ کثیر تعداد میں ملتے ہیں مندرجہ ذیل مثالوں سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ ہوں!

(۲) اب دفعہ (۱) کو پریوجنا لاگی خاص منافع کو حساب گردا کمپنی آرتھک برس کو آمدنی باٹ دہائی کا قلم ہرو کٹائی گہر گرنو پرچھ :

(الف) کمپنی کا کرم چاری ہرو ر مزدور لائی دینے بونس

(ب) قانون بموجب شری ۵ کو سرکار وکونے سنستھا دوارا لگائی ایکسو کر شلک ، دستور ، مالپوت اتیادی

(ج) ادھلو آرتھک برس ما آمدنی بھندا بڑھی خرچ بھے سری آئے کو نقصان

(د) مدعا معاملہ گرنو پردہ لاگے کو خرچ

(ر) عدالت کو آدیش و فیصلہ بموجب کمپنی لے تر نو بجھاؤنو پرنے بگو، نقصانی چھتی پورتی و جرمانہ اتیادی

(س) انسورینس کمپنی لائی بجھاؤنو پرنے قسط

(ص) کمپنی چلاؤنی نیمت لاگی کو خرچ

(ط) ٹوٹ پھوٹ و مرمت خرچ وغیرہ

بحوالہ: نیپال آئین سنگرہ ـ قانون تتھا نیائے منترالے ـ قانون کتاب وبستھا سمیتی۔
شری پانچ کو سرکار کو چھاپہ خانہ ـ کاٹھمانڈو نیپال ص ۱۲۷

نیپال کے ان عدالتی جملوں کے مطالعے کے بعد یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں زیادہ تر اردو، فارسی اور عربی کے الفاظ ہیں لیکن یہ فارسی اور عربی کے الفاظ اردو کے ذریعے ہی نیپالی میں گئے ان میں چند الفاظ انگریزی کے بھی ہیں جو اردو ہی کی مناسبت سے نیپال میں دخل انداز ہوئے ہیں۔ کیونکہ انگریزی نیپال سے بہت پہلے ہندوستان میں رائج ہو چکی تھی اور ہندوستانی عوام کی زبانوں پر چڑھ چکی تھی وہ اردو کے ساتھ انگریزی الفاظ کا بھی استعمال کرتے تھے لہذا اردو الفاظ کے ساتھ انگریزی کے الفاظ بھی نیپال پہونچے ہوں گے۔

انگریزوں سے شکست کھا کر بہت سے ہندوستانی نیپال چلے گئے آزادی کی مہم شروع ہونے کے بعد دھیرے دھیرے ہندوستانی مجاہدین کی وجہ سے نیپال جاکر پناہ لینے والوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ان میں مسلمان مجاہدین بھی کافی تعداد میں تھے۔ ہندو اور بدھو کے درمیان بسے مسلمان خاندانوں کو دیکھ کر جان مارس کو یہ پتہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ یہ مسلمان مہاجر ہیں جو ہندوستان کے میدانی علاقوں سے آکر وہاں بس گئے ہیں مزید برآں ہندوستان کے اردو ہندی علاقے کے چور، اچکے، ڈاکو وغیرہ بھی وہاں جاکر بے خوف وخطر رہنے لگے اور نیپال میں ہندوستانیوں کی تعداد میں اضافہ کرتے رہے۔ پنجاب کی مہارانی زندان نے نیپال میں پناہ لی تھی ان کو نیپالی حکومت کی جانب سے بیس ہزار روپے سالانہ وظیفہ بھی ملتا تھا ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں نے ہندوستانیوں پر بہت ظلم ڈھائے جس کی وجہ سے بہت سے ہندوستانی نیپال چلے گئے۔ واجد علی شاہ کی بیگم حضرت محل بی انگریزوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر اپنی

فوج کے ساتھ نیپال روانہ ہوگئیں اور بڑی مشکلوں کا سامنا کرتی ہوئی نیپال پہونچی اور پھر وہیں کی ہوکر رہ گئیں۔ جس کا ذکر معین الدین حسن خان نے اپنی کتاب "خدنگ غدر" میں تفصیل سے کیا ہے اس کے متعلق ایک اقتباس ملاحظہ ہو!

"برجیس قدر وہ بیگم صاحبہ کو راج نیپال سے امن ملا۔ یہ دونوں قیام پذیر نیپال ہوئے مزوجہ نانا راؤ و بالا راؤ بھی امن نیپال میں رہیں ..." [1]

جس طرح نیپال شمالی ہند کے لوگوں کو پناہ دیتا رہا ہے اسی طرح وہاں کے لوگ بھی ہندوستان کے ان خاص علاقوں میں پناہ لیتے رہے ہیں زمانہ قدیم ہی سے نیپالی عوام سیاسی مذہبی، سماجی اور اقتصادی بحران سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کے ان حصوں میں آتے رہے ہیں۔ پرتھوی راج شاہ سے شکست کھانے کے بعد رنجیت سن نے بنارس میں آکر پناہ لی۔ عالمی تاریخ میں قومی احتجاج کا سربراہ اور شاہی خاندان کا پہلا بادشاہ تری بھون شاہ نے دلی آکر پناہ لی۔ بہار کے چمپارن، سہرسہ اور پورنیا اضلاع نیپالیوں کو پناہ دیتے رہے ہیں آج بھی نیپال سرکار کی نظر میں کچھ تشدد پسند نیپالی ہندوستان میں پناہ گزین ہیں ان کے اڈے بنگال اور آسام کے کچھ شہروں کو چھوڑ کر شمالی ہندوستان کے علاقوں میں ہیں بعض نیپال کے عام لٹیرے، ڈاکو اور جرم پسند آج بھی ہندوستان کے سرحدی علاقوں

---

[1] خدنگ غدر - معین الدین حسن خان ص ۱۴۵

میں پناہ لے رہے ہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستانیوں کی نیپال اور نیپالیوں کی ہندوستان میں آمد ورفت کا سلسلہ بہت پرانا ہے۔ ہجرت کے اس عمل کے ذریعے اردو نیپال پہونچی اور اس نے مقامی زبانوں کو متاثر کیا۔

تجارت : جہانگیر کے عہد میں نیپال میں کمبل، چمڑے، کانچن رس، مین شیل ہرنال اور سلاجیت کافی مقدار میں ملتا تھا۔ میدی گسی اور ایساری نامک برساتی کمبل صرف نیپال میں ہی بنتے تھے۔ جنگلی جڑی بوٹیاں وہاں بے شمار پائی جاتی تھیں۔ ان تمام چیزوں کی درآمد نیپال سے ہندوستان میں ہوتی رہی ہے آج بھی چمڑے جنگلی دوائیاں مختلف معدنیات کے برتن، لکڑی کے سامان، بھانگ، چرس اور عطریات وغیرہ نیپال سے ہندوستان کے سرحدی علاقوں میں آتے ہیں۔ کرک پیٹرک نے جو تفصیل پیش کی ہے اس کے مطابق نیپال کی نیوار قوم گھریلو کارخانے میں بہت ماہر رہے ہیں۔ انہیں کپڑا بننے کے لئے کپاس شمالی ہند کے علاقوں سے ملتی رہی۔ تانبا، پیتل اور لکڑی کے فن تعمیر میں نیپالی کاریگروں کو مہارت حاصل رہی ہے نیپال سے مختلف قسم کے برتن ہندوستان بھیجے جاتے رہے ہیں ہاتھ کے ہتھیار بھی ہندوستان نیپال سے حاصل کرتا رہا۔ گھی، بھیم کی روئی اور تیل نیپال سے ہندوستان کے سرحدی علاقوں کو برآمد ہوتا رہا ہے[1]۔

ہندوستان سے نیپال کو برآمد کی جانے والی چیزوں کی ایک لمبی فہرست ہے جیسے

۱؎ Discription Of Nepal - C. patric, P-176

گورکھپور، مظفر پور، بیتیا۔ موتی ہاری، رکسول، جے نگر، دربھنگہ، سہرسہ، پورنیا، کٹیہار، فاربسن گنج وغیرہ اردو ہندی علاقوں سے نیپالی تاجروں کے براہ راست تعلقات رہے ہیں لارڈ کارن والس نے ہندوستان پر انگریزی حکومت قائم ہونے پر نیپال کے ساتھ تجارتی تعلقات اور بھی مضبوط بنانے میں کافی دلچسپی لی[۱] ۱۷۹۲ء میں ہندوستان کی کمپنی سرکار اور نیپال کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ بھی ہوا تھا ۱۸۱۶ء میں انگریزوں کی جو لڑائی نیپال کے ساتھ ہوئی اس کو انگریزوں نے خاص طور پر اس لئے چھیڑا تھا کہ گورکھوں نے نیپال کے ساتھ ان کی تجارت کو روک دیا تھا۔ نیپال سے انہیں خاطر خواہ مقدار میں سونا ملتا تھا[۲] ماضی میں نیپال کی ہندوستان کے ساتھ درآمد و برآمد سب سے زیادہ ہوتی رہی ہے جس میں ۱۸۵۸-۵۹ء کے اندازے کے مطابق مذکورہ سنہ میں ہندوستان سرکار کے ساتھ نیپال کی تجارت، کل غیر ملکی تجارت کا ۹۸.۱۲ فیصد رہی جس میں درآمد ۹۷.۴۹ فیصد اور برآمد ۹۸.۹۵ فیصد تھی۔ ۱۹۵۹-۷۰ء میں درآمد ۹۳.۸۸ فیصد رہی یعنی اس میں کچھ کمی آئی لیکن برآمد بڑھ کر ۹۹.۰۲ فیصد تک پہونچ گئی[۳] لیکن ان دونوں درآمد بہت زیادہ گھٹ گئی ہے جبکہ دوسری جانب برآمد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے ان دونوں تو ہندوستان میں بننے والے تقریباً تمام چیزیں نیپال کو برآمد

---

۱) Modern Nepal - Dr. Regmi, P-128

۲) Ibid

۳) Far Eastern Review, Vol-35, P-619

کی جاتی ہیں جیسا کہ پچھلے سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ ہندوستان کے ساتھ نیپال کی یہ
تجارت خصوصاً ان علاقوں سے ہوتی رہی ہے جہاں اردو بولی جاتی رہی ہے۔ ۱۹۶۰ء کے
ہندوستان و نیپال کے تجارتی معاہدے کے مطابق نیپال کو ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے
کی پوری آزادی ہے اور حالیہ معاہدے میں بھی تقریباً کچھ اسی طرح کی بات کہی گئی ہے لیکن اس سے
نیپال کو ہندوستانی برآمد کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ پیر دھمن پی کرن اور
ولیم ایم جینکسن کے مطابق آگے بھی کوئی خاص فرق پڑنے کی امید نہیں ہے کیونکہ نیپال کے
پاس غیر ملکی خزانے کی بڑی کمی ہے۔ ہندوستان اور نیپال کے درمیان آمد و رفت کا سیدھا اور
آسان طریقہ بہت پرانا ہے ہندوستانی سرکار نے نیپال میں بہت سڑکیں اور پل بھی بنوائے ہیں
جواہر لعل نہرو کی سرکار کے عہد میں نیپال اور ہندوستان کی سرحد کی کوسی ندی پر براج
نامی پل تعمیر ہو جانے سے دونوں ملکوں کے عوام و تاجروں کے لئے ہندوستان سے نیپال اور
نیپال سے ہندوستان آنا جانا اور بھی آسان ہو گیا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں تری بھون راج پتھ
(NATIONAL HIGHWAY) بن جانے سے نیپال اور بھی زیادہ
ترقی یافتہ ہو گیا۔ جس راستے سے ٹنوں مال ہندوستان سے نیپال پہونچتا ہے۔ رجو مارگ
(ROP-WAY) کے ذریعے بھی ہندوستان سے لگ بھگ ۴۰ ٹن مال ہر روز کاٹھمانڈو
پہونچتا ہے[1]۔ ۱۹۵۰ء سے ہوائی راستے سے بھی دونوں ملکوں کے درمیان آمد و رفت سہولیات

---

1) Far Eastern Review, P- 108

مہیا ہیں آج بھی نیپال۔ نیپال کی غیر ملکی تجارت کا ۹۰ فیصد سے زیادہ حصہ ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان اور نیپال کے درمیان زمانہ قدیم سے ہی یہ تجارتی تعلقات چلے آرہے ہیں جس سے ایک دوسرے کے اوپر باہمی اثرات کے علاوہ زبان پر بھی اثرات مرتب ہونا ہر طرح سے ایک فطری عمل ہی معلوم ہوتا ہے۔ تجارت نے اردو زبان کو نیپال پہونچانے اور وہاں کی مقامی زبانوں پر اثر انداز ہونے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے

مذہب : ہندوستانی اور نیپالی عوام مذہبی سطح پر بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں چونکہ نیپال ایک ہندو ملک ہے لہذا وہاں مختلف دیوی دیوتاؤں کی پوجا آئے دن ہوتی رہتی ہے ہندوستانی ہندو بھی بڑی تعداد میں نیپال کی مختلف مذہبی جگہوں پر دیوی دیوتاؤں کے درشن کرنے جاتے رہے ہیں دوسری جانب نیپال کے ہندو بھی ہندوستان کے بنارس، گیا، پریاگ، متھرا، ورنداوِن، ایودھیا، ودری ناتھ، ہری دوار وغیرہ جگہوں پر بغرض زیارت زمانہ قدیم سے ہی آتے رہے ہیں۔

جہاں تک نیپال میں اسلامی تبلیغ کا سوال ہے وہ اسی وقت سے شروع ہوگئی تھی جس وقت ہندوستان میں اسلام پھیل رہا تھا۔ نیپال میں تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ کچھ لوگ جو خالص پہاڑی ذاتی سے تعلق رکھتے تھے، اسلام پر ایمان لے آئے۔ آج بھی نیپال میں ہندوستانی مسلمانوں کا کوئی نہ کوئی گروہ دینی تبلیغ کے کام میں مشغول نظر آتا ہے ان کی تقریر و تحریر کی

زبان اردو ہی ہے ویسے بھی نیپالی مسلمانوں کی محفل کی زبان اردو ہی ہے۔ آج بھی نیپالی مسلمان جب اپنے دوسرے نیپالی بھائیوں سے ملتے ہیں تو وہ اپنی گفتگو کے دوران اردو لفظوں کا بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ آج بھی نیپالی مسلمان ہر سال ایک بڑی تعداد میں ہندوستان کے پھلواری شریف فتح پور سیکری، دہلی اور اجمیر شریف کے علاوہ دوسری مذہبی جگہوں پر زیارت کے لئے آتے جاتے رہتے ہیں۔

یہاں یہ واضح ہو گیا کہ مذکورہ بالا مذہبی مقامات شمالی ہند میں واقع ہیں جہاں اردو ہندی بولی جاتی ہے چونکہ نیپالی ہندو اور مسلمان زمانۂ قدیم سے ان مذہبی مقامات پر آتے رہے ہیں اور مذہبی طور پر ان علاقوں سے جڑے ہوئے ہیں اس لئے ان کی زبان میں مذہبی اصطلاحوں کے ساتھ ساتھ دوسری تہذیبی اور ثقافتی لفظیات بھی شامل ہوئی ہیں جو براہ راست نیپالی میں اردو سے پہونچی ہیں۔

نیپال میں دینی مدارس: نیپال میں اسلامی بیداری کے بعد وہاں کے مسلمانوں کا رجحان دین کیطرف ہوا اور دینی مدارس کا قیام عمل میں آیا۔ اولاً نیپالی مسلمانوں نے اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے لئے ہندوستان بھیجا لہٰذا اس ضرورت کے تحت نیپالی مسلمانوں نے نیپال ہی میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے دینی مدارس قائم جہاں وہ اپنے بچوں کو اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم دلواتے رہے۔ ان مدارس میں سے چند مدارس ترقی کی مراحل طے کر کے بڑے مرکزوں میں تبدیل ہو گئے۔ آج یہ

مراکز عرب ممالک کے مالی تعاون سے چل رہے ہیں جہاں اعلیٰ تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ صرف عرب ہی نہیں ہندوستان، پاکستان اور دیگر بلاد اسلامیہ سالانہ لاکھوں روپے کا چندہ دینی مدارس کی نذر کرتے ہیں۔ جس سے اب نیپالی دینی مدارس میں باصلاحیت اساتذہ کرام کے ذریعے معیاری تعلیم دی جارہی ہے۔ ان مدارس میں درس وتدریس کا ذریعہ اردو زبان ہی ہے لہذا اس کا خاطر خواہ اثرات نیپالی زبان پر مرتب ہو رہے ہیں۔

فوج: ہندوستانی فوج کے گورکھا رجمنٹ میں نیپالی گورکھوں کو شامل کیا جاتا ہے یہ سلسلہ انگریزی حکومت سے موجودہ دور تک جاری ہے آج کل ہندوستانی فوج میں ان کے لئے کچھ جگہیں متعین ہوتی ہیں یہ گورکھا کون ہیں؟ اور ان کا وجود نیپال میں کس طرح ہوا یہ ایک لمبی کہانی ہے تاہم مختصر کہانی کی جاتی ہے۔ ہندوستان سے ابتدا میں نیپال جانے والوں کے دو گروہ تھے اول راجپوت اور دوم نیم وحشی اقوام جن کا تعلق ناگپور، اڑیسہ، اور بہار وغیرہ کے علاقوں سے تھا ان ہندوستانی اور تبتیوں کے میل سے جو اقوام بنیں ان کو گورکھا کہا گیا۔ جن کی زیادہ تعداد سکم کے سرحدی علاقوں میں ہے خاص نیپال کی وادی میں دو بڑی قومیں تھیں۔ پہلی نیوار جو نیپال کے قدیم باشندے مانے جاتے ہیں اور جو دوسری قوم گورکھوں کے نیپال میں وارد ہونے سے پہلے حکومت کرتی تھی گورکھا نیپال کی ایک جنگجو قوم تھی اور جن کا دعوا ہے کہ وہ راجپوتوں کی اولاد ہے جو فتوحات اسلام کے زمانے میں بھاگ کر نیپال جا بسی تھی ظاہراً یہ ہندو نسل کے معلوم ہوتے ہیں

لیکن ان میں بہت کم اشخاص ایسے ہیں جن میں تبتی میل نہیں ہے ان میں مختلف ذاتیں ہیں جن میں سب سے بڑی ذات کھتریوں کی ہے جو راجپوتوں اور نیپال کی مقامی دیسی عورتوں سے پیدا ہوئی ہے لیکن اس میں دوسری اقوام بھی شامل ہوگئی تھیں جن میں منگر، اور گرنگ قومیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں تبتی میل زیادہ پایا جاتا ہے یہ جنگ جو قوم اکثر اپنے ملک کو چھوڑ کر انگریزی فوج میں شامل ہوتے رہے ہیں جس کا ذکر نیپالی لوک گیتوں میں بھی ملتا ہے جس کا تفصیلی ذکر آئندہ باب میں کیا جائیگا۔ گورکھوں کی زبان جس کو پربتیا اور اب گورکھالی بھی کہتے ہیں سنسکرت اور تبت کے باہمی اختلاط سے بنی ہے۔

انگریزوں نے جب نیپال پر حملہ کیا تھا اسوقت انگریزی فوج میں ہندوستانی بھی شامل تھے جو مخلوط زبان اردو بولتے تھے لہذا گورکھوں کا ہندوستانی افواج میں بھرتی ہونے کی وجہ سے ہندوستانی زبان حاصل کرا اردو ان کی زبانوں پر چڑھتی رہی اور ظاہر ہے کہ جب وہ اپنے وطن نیپال واپس جاتے ہوں گے تو اپنی زبان کے ساتھ اردو الفاظ کا بھی کثرت سے استعمال کرتے رہے ہوں گے جس کے اثرات وہاں کے مقامی حضرات پر بھی پڑے ہونگے۔ غرض یہ کہ اردو کو نیپال تک پہونچانے میں افواج نے ایک نمایاں اور اہم رول ادا کیا ہے۔

اخبارات: نیپالی باشندے اخبارات و رسائل بھی ہندوستان سے منگواتے ہیں ہندی، انگریزی اخباروں اور رسالوں کے علاوہ اردو اخبارات و رسائل بھی منگوائے جاتے ہیں نیپال میں مسلمانوں کی ایک جماعت مسلم ٹرسٹ ہے جس نے

نیپال میں اردو زبان میں "ہمالیہ کی آواز" نامی ایک اخبار نکالنے کی پہلی کوشش کی یہ اخبار چند دن زندہ رہ کر متعدد وجوہ سے بند ہوگیا۔ اس دوران نیپالی مسلمان نیپالی سرکار سے اردو کو اس کا حق دینے اور اس کی تعلیم ہر سرکاری اسکول و کالج میں دینے کے مانگ کر رہے ہیں

ریڈیو: نیپالی عوام اردو ہندی گانوں اور غزلوں کے شائقین ہیں ہر دوکان و مکان میں ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے گانے شوق سے سنے جاتے ہیں دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات ہونے کی وجہ سے نیپالی عوام ریڈیو سے دیگر پروگراموں کے علاوہ خبریں سننا نہیں بھولتے۔ لہٰذا اس وسیلے سے بھی نیپال پر اردو کے اثرات مرتب ہوتے رہے ہیں

فلم: فلم بینی میں بھی نیپال ہندوستان سے دو قدم آگے ہے آپ نیپال کے کسی بھی شہر میں جائیں تو آپ وہاں پائیں گے کہ تمام سینما گھروں میں ہندوستانی ہندی یا اردو فلمیں چل رہی ہیں حالانکہ نیپال کی اپنی زبان کی فلموں کی تعداد کافی ہے لیکن پھر بھی وہ ہندوستانی فلموں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اس کی خاص وجہ نیپالی فلموں کا غیر معیاری ہونا اور وہ تمام باتیں فلموں میں نہیں مل پاتا جو ایک ہندوستانی فلم میں ہوتی ہیں اس طرح فلموں کے ذریعے بھی اردو کے اثرات نیپالیوں پر براہ راست مرتب ہو رہے ہیں۔

ٹی۔وی: ٹیلی ویژن موجودہ دور میں غالباً ہر ملک میں بہت زیادہ مقبول ہے اور

وہ ہر گھر اور ہر فرد کی ضروریات زندگی میں شامل ہوگیا ہے جہاں یہ ایک طرف دنیا بھر کی خبریں اور دیگر معلومات کراتا ہے وہاں دوسری طرف تفریح وطبع کا بے مثال اور موثر ذریعہ ہے نیپال ٹیکنالوجی میں ابھی بہت پیچھے ہے اس کے پاس ٹی وی پر اچھے پروگرام پیش کرنے کا ابھی مواد بھی نہیں ہے لہذا نیپالی شائقین ہندوستان سے نشر ہونے والے تقریباً سبھی پروگراموں کو بڑے شوق سے دیکھتے ہیں پاکستان سے براہ راست نیپالی ٹیلی ویژن پر خالص اردو زبان میں ڈرامے، سیریل، اور دیگر دلچسپ پروگرام ٹیلی کاسٹ ہوتے ہیں جن کو نیپالی باشندے بڑے شوق سے دیکھتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔ ان کی یہ دلچسپی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ اردو سے بھی بخوبی واقف ہیں۔

مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نیپال اور شمالی ہندوستان کے باہمی تعلقات کے ذرائع اور اردو اور نیپالی کے لسانی رشتوں اگر ہم تذکرہ کرتے رہیں تو ہمیں کوئی نہ کوئی نئی چیز ملتی رہے گی۔ مختصر یہ کہ شمالی ہندوستان سے نیپال اس طرح وابستہ ہے کہ ایک دوسرے سے ان کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ہر نظریے سے وہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ مذکورہ تعلقوں کے اثرات نیپال کی دیگر چیزوں کے علاوہ نیپالی زبان وادب پر بھی نمایاں طور پر پڑے۔

تعلیم: زمانۂ قدیم سے ہی خصوصاً شمالی ہند نیپالیوں کی تعلیم کا مرکز رہا ہے۔ نیپال کے سیاست داں، فن کار و ادیب اور ماہر قانون وغیرہ ہندوستان کے ان خاص علاقوں میں زیر تعلیم رہے ہیں جہاں اردو ہندی بولی جاتی ہے۔ تری بھون یونیورسٹی

قائم ہونے کے بعد بھی کچھ مخصوص اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے نیپالی طلباء آج بھی ہر ایک سال کافی تعداد میں بغرض حصول تعلیم ہندوستان میں آتے ہیں دہلی کی جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دلی یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی کے علاوہ علی گڑھ، الہ آباد، لکھنؤ، بنارس، گورکھپور اور بہار کی تقریباً سبھی یونیورسٹیوں میں نیپالی طلباء آج بھی زیر تعلیم ہیں اور ہر سال سیکڑوں کی تعداد میں یہاں سے فارغ ہوکر اپنے ملک کو واپس جاتے ہیں۔ یوں تو اس سے قبل ہی سے بہار کی نالندہ یونیورسٹی (جو اب باقی نہیں رہی) پورے ایشیا براعظم کی تعلیم کا مرکز رہی ہے اور جو غالباً دنیا کی سب سے پہلی یونیورسٹی تھی۔ وہاں دیگر ممالک کے باشندوں کے علاوہ نیپالی باشندے بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ نیپال کے بڑے بڑے ادیب و شاعر ہندوستان میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ نیپالی میں ادب بھی تخلیق کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ان کی تخلیقات میں یہاں کی زبان کا اثر ضرور باقی رہتا ہوگا۔ کیونکہ یہاں رہتے رہتے اور اردو ہندی داں طالب علموں اور اساتذہ کی صحبتوں میں رہنے کی وجہ سے ان کی زبان پر بے شمار الفاظ اردو کے چڑھ گئے ہوں گے جن کو وہ لاشعوری طور پر استعمال کرتے رہے ہوں گے اسطرح کہا جا سکتا ہے کہ تعلیم و تربیت کے وسیلے سے بھی نیپالی زبان پر اردو کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

معاش: آج کی مصروف دنیا میں ہر شخص تلاش معاش میں سرگرداں ہے آج اس کے لیے کوئی ایسی پابندی

نہیں ہے جس کی رو سے اسے اپنے ملک سے باہر جاکر دوسرے مقامات پر کام کرنے اور اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کی ممانعت ہو۔ وہ اپنے ملک میں بھی کام کرتا ہے اور دیگر مقامات پر جہاں وہ راحت وسکون محسوس کرتا ہے باسہولتیں پاتا ہے وہاں کام کرکے اپنی روزی روٹی کماتا ہے۔ چونکہ نیپال اور ہندوستان کے درمیان زمانہ قدیم سے ہی دوستانہ تعلقات چلے آرہے ہیں۔ اس لئے ایک دوسرے کے ملک میں کام کرنے میں انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آتی ہے۔ لہذا اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کچھ نیپالی عوام ہندوستان میں اور کچھ ہندوستانی عوام نیپال میں مختلف کام انجام دیتے رہے ہیں۔ اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ آج تقریباً ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں نیپالیوں کو جن میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی مختلف مل کارخانوں واداروں میں کام کرتے نظر آتے ہیں۔ زیادہ تر غریب اور ان پڑھ نیپالی حضرات کو یہاں چوکیداری کا کام کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ کچھ نیپالی عورتیں بھی یہاں کے مختلف گھروں میں کام کرتی نظر آتی ہیں۔

دوسری جانب آپ نیپال کے کسی بھی شہر یا قصبے میں چلے جائیں وہاں آپ کو ہندوستانی لوگ، ان کی دوکانیں اور ان کے مل کارخانے وغیرہ مل جائیں گے اور کچھ لوگ کچھ دیگر کام کرتے ہوئے بھی نظر آجائیں گے۔ ان میں سے اکثر لوگوں کا تعلق شمالی ہند کے سرحدی علاقوں سے ہے اور ان کی زبان اردو ہندی ہے لہذا

یہ لوگ نیپالیوں سے بات چیت کرتے وقت نیپالی کے علاوہ اپنی مادری زبان
اردو وہندی کا بھی بخوبی استعمال کرتے ہیں جس کا خاطر خواہ اثر نہ صرف نیپالیوں
پر پڑ رہا ہے بلکہ ان کی زبان بھی اس سے بہت حد تک متاثر ہوتی رہی ہے
اور آج بھی ہو رہی ہے۔

باب سوم

لوک ادب اور اردو

۱۔ لوک ادب

مشرق اور مغربی ادبیات کے عالموں کے درمیان لوک ادب سے متعلق نظریات میں اختلافات رہے ہیں۔ کسی نے دیہاتی نغموں کو تو کسی نے رزمیوں اور داستانوں کو لوک ادب قرار دیا۔ ان کے مطابق لوک ادب وہ قصے کہانیاں یا گیت وغیرہ ہیں جن میں عوام کے جذبات اور دماغوں کی اپج ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ یہ ادب امراء کی دل بستگی کے لیے تصنیف ہوا اور اس میں سے کچھ عام لوگوں کے دماغوں میں بھی رچ بس گیا اور بعد میں عوام کے درمیان بھی رائج ہو گیا۔ یہ ایسے سوال ہیں جن پر ایک تفصیلی بحث ومباحثہ درکار ہے۔ یہاں تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے تاہم اس پر مختصر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

لوک ادب انگریزی FOLK LORE کا اردو ترجمہ ہے۔ فوک (FOLK) اینگلو سیکسن لفظ FOLC کی ترقی یافتہ شکل ہے جس کے معنی غیر مہذب طبقہ ہے۔ انگریزی کا دوسرا لفظ LORE اینگلو سیکسن لفظ LAR سے متعلق ہے۔ جس کے معنی ہیں "جو سکھایا جائے"۔ اس طرح فوک لور کا اردو میں لفظی معنی "غیر مہذب لوگوں کا علم" ہے۔ اکثر لوگ فوک لور اور فوک لٹریچر کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں جب کہ دونوں میں کافی فرق ہے۔ جس کی وضاحت ہم آگے کریں گے۔

ہندی میں لوک ادب کے لیے تین الفاظ رائج ہیں۔ جن ساہتیہ، لوک ساہتیہ اور گرام ساہتیہ۔ ہندی کے کچھ عالم 'جن' کا استعمال مناسب سمجھتے ہیں، کچھ 'لوک' کے استعمال کو بہتر گردانتے ہیں اور کچھ لوگ لفظ 'گرام' کا استعمال ہی موزوں خیال کرتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں "گرام" کا استعمال "لوک" اصطلاح کے لیے بالکل ہی مناسب نہیں ہے کیوں کہ گرام کہنے سے اس کا دائرہ گاؤں تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ لوک ادب کا تعلق صرف گاؤں سے ہے تو وہ غلط فہمی کا شکار ہے۔ رام نریش ترپاٹھی اپنے ایک مضمون "جن پد" میں اس بات پر بضد نظر آتے ہیں کہ گرام لفظ کا ہی استعمال ہونا چاہیئے۔[1] لفظ جن سے تمام لوگوں کا تو احاطہ ہو جاتا ہے لیکن جب یہی لفظ ادب کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس کا دائرہ بہت زیادہ وسیع نہیں رہ پاتا۔ لفظ لوک شہر اور گاؤں سب کا احاطہ کر لیتا ہے۔ لوک سے مراد دراصل گاؤں اور شہروں میں پھیلے ہوئے وہ عوام ہیں جن کے علم کا دارومدار پوتھیوں پر نہیں ہے۔[2]

---

[1] جن پد — رام نریش ترپاٹھی، شمارہ نمبر ۱ صفحہ 11

[2] لوک ساہتیہ کا ادھین — ڈاکٹر ہزاری پرساد دویدی، شمارہ ۱ صفحہ 46

عام لوگوں کے رسم و رواج، رہن سہن، طریقے، توہم پرستی وغیرہ کے مطالعے کی طرف یوروپی عالموں کی نظر غالباً سب سے پہلے گئی تھی۔ اس ضمن میں سب سے پہلے جان آبرے کا نام آتا ہے جنھوں نے ۱۶۸۶ء میں "ریمینس آف جینٹلزم اینڈ جوڈائزم" نامی کتاب تصنیف کی تھی۔ اس کے تقریباً دو سو سال کے بعد برینڈ نے اپنی مشہور کتاب "آبزرویشن آن پاپولر اینٹک ویٹیز" لکھی جو ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ واضح ہو کہ انیسویں صدی کے قبل تک عوامی زندگی پر غور و فکر کرنے والی کتاب کو "پاپولر اینٹک ویٹیز" کے نام سے ہی جانا جاتا تھا۔ ۱۸۴۶ء میں انگریزی کے مشہور ادیب جان ٹامس نے "فوک لور" کی ایجاد کی۔[1] یہ لفظ اتنا زیادہ مقبول ہوا کہ یورپ کے تقریباً سبھی زبانوں میں اس کا استعمال ہونے لگا۔ اور آج حالت یہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں اس کے متعلق مطالعہ شروع ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر فریزر نے اپنی مشہور و معروف کتاب "گولڈن باؤ" بارہ حصوں میں لکھ کر اس موضوع کی ایک مضبوط بنیاد ڈالی۔ ای۔ بی۔ ٹائلر نے "پریمیٹو کلچر" نامی کتاب کی تصنیف دو ضخیم حصوں میں کی جس میں انھوں نے ابتدائی تہذیب کے آغاز و ارتقا پر خاطر خواہ روشنی ڈالی ہے۔ جرمن عالموں نے بھی اس موضوع کے تحت بڑے اہم کام انجام دیئے ہیں۔ جن میں ولیم گریم اور جیکب گریم قابل تعریف ہیں۔ انھوں نے جرمن لوک کہانیوں کو یکجا کر کے اس اساطیری نظام

1- Dictionary of Folklore: Mariyalitch V.I Page 403

کیا جو "گریم فیری ٹیلس" کے نام سے مشہور ہے۔ انگلینڈ فوک لور سوسائٹی نے اس کے متعلق رسائل اور تحقیق میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اب تک یورپ کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جہاں فوک لور سوسائٹی قائم نہ کی گئی ہو۔ امریکہ کے تقریباً سبھی صوبوں اور علاقوں میں ایسے ادارے قائم ہیں۔ ان اداروں میں امریکن فوک لور سوسائٹی سب سے قدیم ادارہ ہے۔

۲۔ لوک کلچر اور لوک ادب میں فرق:

آج کل اب دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ بغیر کچھ سوچے سمجھے ایک لفظ کا استعمال دوسرے لفظ کے لیے کر دیتے ہیں جس سے اس کے مطلب کو سمجھنے میں کافی پریشانی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں لفظوں — لوک کلچر اور لوک ادب کے فرق کو سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ یہاں لوک کلچر لفظ کا استعمال فوک لور کے لیے کیا گیا ہے اور لوک ادب کا استعمال فوک لٹریچر کے لیے ہوا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ کہ جو فرق انگریزی کے FOLKLORE اور FOLK LITERATURE میں ہے وہی فرق اردو میں لوک کلچر اور لوک ادب میں سمجھا جانا چاہیے۔

صوفیہ برن نے فوک لور کو موضوعات کے لحاظ سے تین مختلف درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱۔ لوک یقین اور توہم پرستی۔ ۲۔ رسم و رواج اور ۳۔ لوک ادب

پہلے درجے کے اندر زمین و آسمان، نباتات و جمادات، انسان اور انسان کے ذریعہ بنائی گئی چیزیں، روح و آخرت، فرشتے اور شیاطین، فال و نجوم اور جادو ٹونہ وغیرہ جیسے

متعلق لوک یقین اور توہم پرستی آتی ہے ۔ دوسرے درجے کے تحت سماجی و سیاسی ادارے، علیحدہ اور آزاد زندگی کا حق، صنعت و تجارت، روزہ و اُپواس، اور تہوار سے متعلق رائج مختلف رسم و رواج آتے ہیں اور تیسرے درجے میں لوک گیت، لوک کہانیاں، لوک ڈرامہ، لوک گاتھا، لوک پہیلیاں، لوک ضرب المثل وغیرہ آتے ہیں ۔

صوفیہ برن نے لوک کلچر کی جو درجہ بندی کی ہے، اس پر غور کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ لوک ادب لوک کلچر کا ایک حصہ یا جز ہے ۔ اگر ہم لوک کلچر کی مثال کسی بڑے درخت سے دیں تو لوک ادب اس کی صرف ایک شاخ سمجھنا چاہیے ۔ لوک کلچر کی وسعت عوامی زندگی کے ہر پہلو میں موجود ہوتی ہے لیکن لوک ادب عوام کے گیتوں، کہانیوں، گاتھاؤں اور محاوروں وغیرہ تک ہی محدود ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لوک کلچر اور لوک ادب میں بہت بڑا فرق ہے۔ لہٰذا ان دونوں لفظوں کا استعمال ان کے اپنے مفہوم ہی میں کرنا چاہیے تاکہ اس کا پڑھنے والا کسی اشتباہ کا شکار ہوئے بغیر اس کے معنی و مفہوم کو سمجھ سکے ۔

۳۔ ہندوستان میں لوک ادب کی قدیم روایت

ہندوستان میں لوک ادب کی روایت بہت ہی قدیم ہے ۔ سنسکرت میں لوک ادب آغاز دارالقضا کی کہانی بڑی ہی دلچسپ ہے ۔ زمانۂ قدیم سے ہی لوک ادب کس طرح مختلف صدیوں

اور مرحلوں سے گزر کر آج اپنی موجودہ حالت میں قائم ہے۔ یہ ہمارے لیے قابل غور امر ہے۔ لوک گیتوں کا ابتدائی نمونہ سب سے قدیم، پاک اور مقدس کتاب "رگ وید" میں ملتا ہے۔ گیت کے معنی میں گاتھا لفظ کا استعمال رگ وید میں کئی جگہوں پر ملتا ہے [1] گانے والے کے معنی میں گاتھن لفظ کا استعمال اس کتاب میں کئی جگہ ہوا ہے [2] ان تاریخی گاتھاؤں کی روایت مہابھارت کے عہد میں بھی دکھائی پڑتی ہے۔ یہ گاتھائیں کسی تقریب یا شادی بیاہ کے موقعوں پر گائی جاتی تھیں۔ جب پراکرت زبانیں رواج پڑھیں تو اس دور میں لوک گیتوں کی ترقی بڑے زور شور سے ہوئی۔ راجہ ہال جن کو شالی واہن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، کے ذریعے لکھی گئی کتاب "گاتھا سپت ستی" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں لوگ گیت بنانے اور گانے کا رواج بہت تھا۔ بالمیکی کی رامائن میں رام اور کرشن کی پیدائش کے موقعوں پر عورتوں کے ذریعے گیت گانے کا ذکر ملتا ہے [3] عظیم شاعر کالی داس نے "آج" کی پیدائش کے موقع پر راجہ دلیپ کے محل میں طوائفوں کے ذریعے ناچ اور گیت گائے جانے کا تذکرہ اپنی شاعری میں کیا ہے۔ اتنا ہی نہیں، محنت مزدوری کرتے وقت، مثلاً چکی پیستے، دھان کوٹتے، ڈھینکی چلاتے، کھیتی باڑی سے متعلق کام کرتے، چرخہ کاتتے کے وقت جس طرح آج کل دیہات میں عورتیں جھنڈ

---

[1] رگ وید ۸/۳۲/۱ [2] رگ وید ۸/۷۱/۱۳ [3] بال کانڈ ۱۸/۱۶

بنا کر گیت گا گا کر اپنی تھکاوٹ دور کرتی ہیں، اسی طرح کی روایت قدیم زمانے میں بھی رہی ہے۔ مشہور سنسکرت شاعرہ وجیکا جو بارہویں صدی کی شاعرہ تسلیم کی جاتی ہے، نے دھان کوٹنے والی عورتوں کا ذکر بہت ہی دلچسپ طریقے سے کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ان کا یہ اشلوک:

"विलासमसृणोल्लसन्मुसललोलदो: कन्दली
परस्परपरिस्खलद्वलयनि:स्वनोद्बन्धुरा: ।
लसन्ति कलहुंकृतिप्रसभकम्पितोर:स्थल—
त्रुटद्गमकसंकुला: कलमगण्डनीगीतय: ।।"

ترجمہ: عورتیں دھان کوٹ رہی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ گیت بھی گا رہی ہیں۔ موسل اٹھانے اور گرانے کی وجہ سے ان کی چوڑیاں چھن چھن کھن کھن کی سریلی آواز نکال رہی ہیں۔ ان کی چھاتیاں بھی ہل رہی ہیں۔ ہلکی ہنکار کی آواز اور چوڑیوں کی کھنکھناہٹ یہ تمام چیزیں مل کر ایک عجیب لطف پیدا کرتی ہیں اور ایک عجیب سماں باندھتی ہیں۔

گوسوامی تلسی داس کے عہد میں بھی مختلف تقریبوں کے موقع پر گیت گانے کا رواج تھا۔ رام جی کی پیدائش کے وقت عورتوں کے ذریعے گیت گانا ذکر

تلسی داس نے کیا ہے۔ لوک ادب کی ایک شاخ لوک کہانی کچھ کم قدیم نہیں ہے۔ آپ نشدوں میں ایسے نمونے موجود ہیں جنھیں ہم لوک کہانی کی بنیاد کہہ سکتے ہیں۔ سنسکرت ادب میں لوک کہانیوں کے بے شمار خزانے مل جائیں گے۔ مہابھارت میں کئی لوک کہانیاں ایسی مل جائیں گی جو سب کی سب اہم اور مفید ہیں۔ اس کے علاوہ ضرب الامثال، محاورے اور پہیلیوں کی روایت بھی بہت پرانی ہے۔

۴۔ ہندوستان میں لوک ادب سے متعلق تحقیق کے کام اور ان میں انگریزوں کا حصہ

جب ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوا تو یہاں انگریزوں کے قدم جمنے لگے اور رفتہ رفتہ وہ پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ اس وقت ہندوستان میں دو طرح کے انگریز آئے تھے۔ ۱۔ انگریز سویلین ۲۔ انگریز مشنری۔ اول طبقہ کا مقصد ہندوستان پر حکومت کرنا تھا۔ جبکہ دوسرا طبقہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی غرض سے یہاں آیا تھا اور دونوں اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک وہ اس ملک کی مختلف زبانوں اور ان کے ادب کا مطالعہ نہیں کر لیتے تب تک ہندوستانی عوام سے رابطہ قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی ملک میں مذہبی تبلیغ یا حکومت کرنے کے لیے عام لوگوں کی زبان اور ادب کو جاننا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اسی غرض کے تحت ہی ان دونوں طبقے کے لوگوں نے ہندوستانی تاریخ کی تحقیق کے

ساتھ ہی ساتھ ہندوستانی زبان و ادب کے مطالعے و تحقیق کا بھی آغاز کیا۔ انیسویں صدی میں جو انگریز سویلین یہاں حکومت کرنے کی غرض سے آئے تھے، ان میں سے اکثر لوگ حکمراں ہونے کے علاوہ اہلِ علم بھی تھے اور ان میں ہندوستانی تہذیب و تمدن جاننے کا تجسس اور قدیم تاریخ کی تلاش کا جذبہ بھی موجود تھا۔ لہٰذا وہ اس جانب ملتفت ہوئے۔ گرچہ اٹھارھویں صدی ہی میں یعنی ۱۷۹۲ء میں سر ولیم جونس کی لگن اور کاوشوں سے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نامی ادارہ وجود میں آچکا تھا۔

ہندوستان میں لوک ادب کی تحقیق کے سلسلے میں سب سے پہلا نام کرنل جیمز ٹاڈ کا آتا ہے جنھوں نے کئی سالوں کی محنت کے بعد "اینلس اینڈ اینٹک ویٹیز آف راجستھان" جیسی اہم کتاب کی تصنیف کی جو ۱۸۲۹ء میں شائع ہوئی۔ جیمز ٹاڈ کو ایک عرصے تک راجستھان کے مختلف علاقوں میں رہنے کا موقع ملا تھا۔ لہٰذا وہ وہاں کی مقامی تاریخ، رسم و رواج، رہن سہن و طور طریقوں سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں ہندوستانی لوک کلچر کے مطالعے کی پہلی کوشش کی۔ اسی وجہ سے یہ کتاب بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ گرچہ اس میں لوک گیتوں کے علاوہ کہانیوں کے مجموعے نہیں ہیں لیکن پھر بھی انھوں نے اس میں راجستھان میں رائج لوک گاتھاؤں، بہادری کی کہانیوں کے مجموعے پیش کیے

ذکر کیا ہے۔

جے۔ ایبٹ نے ۱۸۸۱ء میں پنجابی لوک گیت اور لوک کہانیوں کے متعلق اپنا ایک مضمون شائع کیا۔ پنجاب ہمیشہ سے بہادروں کی سرزمین رہی ہے لہٰذا وہاں بہادری کے کئی گیت اور کہانیاں ابھی بھی رائج ہیں۔ ایبٹ نے انہی بہادری کے گیتوں اور کہانیوں کا تذکرہ مذکورہ مضمون میں کیا ہے۔[1]

ولیو رینیڈ ایلس۔ بلسٹ نامی پادری نے مدھیہ پردیش کی جنگلی قوم کے متعلق حکایات اکٹھی کیں۔ اس سے متعلق ان کے مضمون ۱۸۶۶ء میں شائع ہوئے۔ ۱۸۶۸ء میں فریر نامی ایک انگریز خاتون نے "اولڈ دکن ڈیز" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ اس میں انھوں نے دکن کی لوک کہانیوں کو اکٹھا کیا ہے۔ چارلس ای۔ گاور نے ۱۸۷۱ء میں "فوک سانگ آف ساؤدرن انڈیا" کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی۔ اس کتاب میں جنوبی ہند کی چار خاص زبانوں کنڑ، تمل، تیلگو اور ملیالم کے لوک گیتوں کا انگریزی ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہندوستانی لوک گیتوں کا سب سے پہلا ترجمہ ہے لہٰذا اس وجہ سے بھی ایک اہم کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔

۱۸۷۲ء میں آر۔سی۔ کالڈویل نے "تل پاپولر پوئیٹری" کی تصنیف کی۔ اس کتاب

---

[1] آن دی بالیڈس اینڈ لیجینڈس آف دی پنجاب: جے۔ اے۔ ایس۔ حصہ ۲۳ ص ۹۱-۵۹ اور ۱۶۴-۱۲۳

میں مصنف نے تمل لوک گیتوں پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ سن مذکورہ ہی میں ڈالٹن نے "ڈسکرپٹو ایتھنولوجی" جیسی مشہور کتاب لکھ کر بنگال میں رہنے والی مختلف قوموں اور فرقوں کے متعلق اہم ڈاٹا جمع کیے ہیں۔ اس کے چار سال بعد یعنی ۱۸۷۶ء میں ایف۔ ٹی کول نے پہاڑی نسل کے لوگوں کے لوک گیتوں کے متعلق ایک مضمون تحریر کیا۔ اسی دور میں جی۔ ایچ۔ ڈیمینٹ نے ایک مشہور کتاب "بنگالی لوک لور فرام دیناج پور" تصنیف کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنی حیات یعنی ۱۸۷۹ء تک مسلسل "انڈین انٹکویری" میں لوک ادب کے متعلق مختلف مضامین سپرد قلم کرتے رہے۔ بنگال کی مشہور شاعرہ تروودت نے "اَن۔ شینٹ بیلیڈس اینڈ لجینڈس آف ہندوستان" کی تدوین کی جو ۱۸۸۲ء میں شائع ہوئی۔ لعل بہادر دے نے ۱۸۸۳ء میں بنگالی لوک کہانیوں کا مجموعہ "فوک ٹیلس آف بنگال" کے نام سے تصنیف کی۔ یہ بنگالی لوک کہانیوں کا پہلا خوبصورت مجموعہ ہے۔ گرچہ انگریزی ترجمے کی وجہ سے اصل کہانیوں کی خوبصورتی چلی گئی ہے لیکن پھر بھی یہ کہانیاں بڑی دلچسپ ہیں۔ لعل بہادر دے نے اپنی دوسری کتاب "بنگال پیزینٹ لائف" میں بنگال کے دیہات اور ان کے باشندوں کی سچی اور حقیقی تصویر پیش کی ہے۔ آر۔ سی۔ ٹیمپل نے پنجاب کے بہادروں کی داستانیں اپنی کتاب "لجینڈس آف دی پنجاب" میں جمع کی ہیں جو ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی۔ مسز اسٹیل نے ۱۸۸۴ء میں "وائڈ اویک اسٹوریز" لکھی جس میں انھوں نے اس دور تک کی موجود لوک کہانیوں کو ملاحظہ کیا۔ اسی سال ای۔ جے۔ رابنسن نے E.J. Robinson

کی کتاب " ٹیلس اینڈ پوئمس آف ساؤتھ انڈیا" منظر عام پر آئی جس میں جنوبی ہند کے لوک گیتوں اور کچھ لوک کہانیوں کا انگریزی ترجمہ کیا گیا ہے۔

جارج گریرسن ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جس پہ ہندوستان، ان کی لسانی اور لوک ادب سے متعلق خدمات پر ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ انھوں نے لسانیات کے شعبہ میں جو اہم کارنامے انجام دیئے ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اور اس سے ہندوستانی ماہرین لسانیات ناواقف نہیں ہیں۔ "لنگویسٹک سروے آف انڈیا" ان کی ایک ناقابلِ فراموش تصنیف ہے۔ انھوں نے ہندوستانی لوک گیت اور لوک کہانیوں کا ایک ذخیرہ اکٹھا کیا۔ ۱۸۸۲ء میں انھوں نے "سم بہاری فوک سانگس" نامی کتاب کی تخلیق کی جس میں مختلف بہاری زبانوں کے لوک گیت ہیں۔ ۱۸۸۴ء میں انھوں نے "سم بھوجپوری سونگس"۔ ان دونوں کتابوں میں انھوں نے اس کے اصل گیت کو اس کی اصل شکل میں تو پیش کیا ہے ساتھ ہی ساتھ ان کا انگریزی ترجمہ بھی خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ مضمون کے آخر میں علم لسانیات کی روشنی میں ان کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ جس سے ان کی علمی لیاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۱۸۸۴ء میں گریرسن نے وجے مل کی لوک گاتھا کو جمع کیا تھا جو بنگال کے ایشیاٹک رسالے میں چھپی۔ ۱۸۸۵ء میں ان کی " دی سونگس آف آلہا میرج " کے نام سے " انڈین اینٹیکویری " میں چھپا۔ ان میں آلہا کے شادی سے متعلق لوک گاتھائیں ملتی ہیں۔ ڈاکٹر گریرسن کے مجموعے کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے لوک گیت اور لوک کہانیوں کو اس کے اپنی اصل شکل میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا سلیس انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان کے

نام ایک اور اہم کتاب " بہار پیجنٹ لائف " کے نام سے ہے۔ انھوں نے بہار کی
دیہی زندگی کے الفاظ کی فہرست بھی تیار کی ہے۔

گریرسن کے بعد جن لوگوں کا نام آتا ہے ان میں کوک کا نام اہم ہے۔ کوک نے
نہ صرف ہندوستانی لوک کلچر و لوک ادب کے سلسلے میں مواد یکجا کیا بلکہ اس کی تحفظ بھی
کی۔ وہ ایک انگریز سویلین تھے۔ وہ بہت دنوں تک اترپردیش کے مرزا پور میں کلکٹر کے
عہدہ پر فائز رہ چکے۔ انھوں نے کافی تعداد میں اترپردیش کے لوک گیتوں کو جمع کیا اور ساتھ
ہی ساتھ ہندوستانی لوک کلچر کا گہرا مطالعہ بھی کیا۔ انھوں نے ۱۸۹۱ء میں ہندوستانی لوک ادب
و لوک کلچر کو منظر عام پر لانے کے لیے " نارتھ انڈیا نوٹس اینڈ کوئریز " کے نام سے
ایک رسالہ کی اشاعت شروع کی جس سے لوک ادب کی بہت خدمت ہوئی۔ یہ رسالہ
پانچ یا چھ برسوں تک شائع ہوتا رہا۔ انھوں نے ۱۸۹۶ء میں " پاپولر ریلیجن
اینڈ فوک لور آف نارتھ انڈیا " لکھی۔ اس کتاب میں انھوں نے شمالی ہند کے عام
لوگوں کی تہذیب پرستش، ٹونا ٹوٹکا، جادو منتر، بھوت پریت وغیرہ رسم و رواج
کو بھی شامل کیا ہے۔

کوک کے بعد جے۔ ڈی۔ اینڈرسن نے ۱۸۹۵ء میں " کلیکشن آف کچھاری فوک
ٹیلس اینڈ رائمس " کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں آسام کے کچھاری قوم کے لوک گیت
جن میں بچوں کے لوک گیت بھی شامل ہیں۔ ۱۸۹۹ء آر۔ ایم۔ لارنیسم نے ایک کتاب لکھی۔

جس کا نام " سم سونگس آف پورچوگیز انڈینس " ہے ۔ اس میں گوا کے باشندوں کے لوک گیتوں کے تذکرے ہیں ۔

اس طرح انیسویں صدی کے اختتام تک ہندوستان کے مختلف علاقوں لوک گیتوں و لوک کہانیاں منظر عام پر آگئیں ۔ لیکن ابھی تک لوک ادب پر بہت زیادہ کام نہیں ہو پایا ۔ سویلین اور مشنری انگریزوں نے اس کام کو بیسویں صدی میں بھی قائم و دائم رکھا ۔ جس کا ایک مختصر مطالعہ آگے کیا جاتا ہے ۔

۱۹۰۳ء میں سوئنرٹن بڑی جانفشانی کے بعد راجہ رسالو کی مشہور کہانیاں اپنی کتاب " رومینٹک ٹیلس فرام دی پنجاب " میں یکجا کی ۔ اور اوراؤں نسل کے لوگوں کے تقریباً دو سو لوک گیتوں کا ایک مجموعہ ایف ۔ ہان نے ۱۹۰۵ء میں اپنی کتاب " کورکھ فوک لور ان آرجنل " میں پیش کیا ۔ جنوبی ہندوستان کے مختلف موضوعوں کو اجاگر کرنے کے بعد تھرسٹن نے " اتھنوگرافک نوٹس ان سودرن انڈیا " لکھی جو ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی ۔ ان کی دوسری مشہور کتاب " کاسٹ اینڈ ٹرائبس آف سودرن انڈیا " کے نام سے ۱۹۰۹ء میں چھپی ۔ اور ان کی تیسری اہم کتاب " اومنس اینڈ سپرسٹیشنس آف سودرن انڈیا " ۱۹۱۲ء میں منظر عام پر آئی ۔ یہ کتاب مختلف نظریوں سے کافی اہم ہے ۔ اس میں جنوبی ہند کے باشندوں کی توہم پرستی، جادو منتر وغیرہ سے متعلق وسیع پیمانے پر دلائل پیش کیے گئے ہیں ۔ ڈبلو ۔ ٹی ۔ ڈیمس نے ۱۹۰۷ء میں " پاپولر پوئٹری آف بلوچیز " لکھی ۔ اس کتاب میں بہادروں کی کہانیاں ، محبت سے

متعلق گیت اور محاورے اپنی اصلی شکل میں موجود ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس کا انگریزی ترجمہ بھی پیش کیا گیا ہے ۔ ۱۹۰۸ء میں اے ۔ اسٹیک نے آسام میں مقیم میکر نسل کے لوگوں کی سماجی رسم و رواج کا تذکرہ اپنی کتاب "دی میکرس" میں کی ہے ۔ سی اے ۔ بوپرس نے ۱۹۰۹ء میں بورڈونگ کے ذریعے بیکی کی گئی کہانیوں کا انگریزی ترجمہ کیا ۔ سنگ مین نے ۱۹۱۱ء میں 'ویڈا' نامی قوم کا تذکرہ اپنی تصنیف میں کیا ہے ۔ ۱۹۱۲ء میں شیکسپیر نامی پادری نے آسام کی لوشائی کوکی، کی نسل کی سماجی حالات کی تصویر کشی خوبصورت انداز میں کی ہے ۔ مذکورہ سن میں ہی اے ۔ جی آگر کر نے ایک کتاب " اے گلاسری آف کاسٹس ٹرائبس اینڈ ریسیز ان بروداسٹیٹ " میں بڑودہ ریاست میں رہنے والے اقوام کے طور طریقے کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے ۔ اسی دور میں لوک کہانیوں کی کئی کتابیں شائع ہوئیں جن میں اے ۔ ملک کی "بنگالی ہاؤس ہولڈ ٹیلس" بہت مشہور ہے ۔ ڈاکٹر ہیرالعل اور رسیل نے ۱۹۱۶ء میں مدھیہ پردیش میں رہنے والے خاندانوں کے متعلق ایک ضخیم کتاب " دی ٹرائبس اینڈ کاسٹس آف سینٹرل پروونس آف انڈیا" چار مختلف حصوں میں شائع کروائی جس میں اس علاقے میں رہنے والے خاندانوں کے لوک گیت و لوک کہانیاں نقل کیے گئے ہیں ۔ سی ۔ اے ۔ بک نے " فیتھ فیرس اینڈ فیسٹولس آف انڈیا" ۱۹۱۷ء میں لکھی جس میں لوک ادب اور لوک کلچر کے متعلق کئی معلومات کی چیزیں درج ہیں ۔ بہار سرکار نے ۱۹۱۸ء میں ڈاکٹر گریرسن کی کتاب کو " بہار پیجنٹ لائف " دوبارہ شائع کروائی ۔ اس کی اشاعت سے دیہاتی زبان کے الفاظ کی فہرست جمع کرنے کی طرف عالموں کا ذہن مرکوز ہوا

۵۔ لوک ادب کی تحقیق کے مسائل

لوک ادب کی تحقیق کے سلسلے میں محقق کو کئی مسئلوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ قدم قدم پر کوئی نہ کوئی نئی پریشانی کا انھیں سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن لوگوں میں صبر و تحمل نہیں اور کام میں جی تو یہ ان کے بس کا روگ نہیں۔ ایسا بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ کئی دنوں کی دوڑ دھوپ کے بعد بھی انھیں مراد نہیں مل پائے۔ گیت گانے والوں کے گاتے ہوئے حالت میں اس گیت کو نقل کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اب گاؤں میں گیت گانے والوں کی تعداد رفتہ رفتہ گھٹتی جا رہی ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اب گاؤں میں بھی تعلیم یافتہ لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ ایک تعلیم یافتہ دیہاتی ایسے گیت گانے میں خود کی توہین سمجھتا ہے۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کے گیتوں کو گھٹیا سمجھتے ہیں جو شاید ان کی بڑی بھول ہے۔ دیہاتوں میں ایسے گیت بالکل ناپید، صرف ان پڑھ گنوار بوڑھے بوڑھیوں کے دم سے زندہ ہیں لہٰذا شاید یہی وجہ ہے کہ آج لوک ادب کی تحقیق مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ اس ضمن میں تحقیق کار کو اس وقت سب سے بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب وہ اپنے مواد کے سلسلے میں گاؤں میں مختلف لوگوں سے ملتا ہے۔ لوگ ہمیشہ گانے کو تیار نہیں ہوتے۔ وہ اسی وقت گاتے ہیں جب ان کے دل میں ترنگ یا امنگ پیدا ہوتی ہے اور وہ اسی موسم کے اعتبار سے گاتے ہیں۔ گانے کے لیے ان پر زور زبردستی نہیں کی جا سکتی۔ اگر بڑی خوشامد کے بعد انھیں تیار بھی کر لیا جائے تو وہ بے دلی سے گائیں گے اور جس سے وہ بات پیدا نہیں ہو پائے گی کہ ان کے اصل جذبات و احساسات کا پتہ چل سکے۔ ایک دوسری پریشانی وہاں یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ کوئی خاص گیت اس خاص وقت میں اس کی اصل انداز

ہیں گایا جا سکتا ہے۔ مثلاً محرم کا مرثیہ شادی کے موقع پر اور شادی کے گیت موت پر۔ ساون کے گیت چیت میں اور جاڑے کے گیت گرما میں بعد میں معلوم ہوں گے۔ لہٰذا تمام گیتوں کو جمع کرنے کے لیے ہر موسم، ہر تہوار و تقریبات پر گیت جمع کرنے والوں کو مختلف لوگوں سے رابطہ قائم کرنا ہوگا جس کے لیے کافی وقت درکار ہے۔ اس کے بعد ایک اور مسئلہ یہ سامنے آتا ہے کہ جب گانے والے اپنی رَو میں ہوتے ہیں ساتھ گانے لگتے ہیں تو وہ بغیر کسی روک ٹوک کے گاتے چلے جاتے ہیں۔ اب نقل کرنے والے سے اگر کوئی چیز چھوٹ گئی تو گانے والے کو درمیان میں روک کر پھر دہرانے کو نہیں کہہ سکتا۔ لہٰذا کچھ گیت ادھورا رہ جاتا ہے۔ عورتیں جب شادی وغیرہ کے موقعوں پر گیت گاتی ہیں تو اس کا معنی سمجھ کر اور تلفظ کے لحاظ سے اس کو لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔

پیشہ ور گانے والوں سے رابطہ قائم کرنے پر بھی طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ پہلے تو وہ گیتوں کو لکھوانے کو بالکل تیار نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے ٹالنے کی پوری کوشش کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشہ ور گانے والوں کے ذہن میں یہ بات رہتی ہے کہ اگر گیت لکھوا دیا جائے تو وہ کتاب میں چھپ جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا ان کا دھندا کھٹائی میں پڑ جائے گا اور سماج میں ان کی اہمیت گھٹ جائے گی۔ اور ان کا یہ روزگار کا ذریعہ ان سے چھوٹ جائے گا۔ لہٰذا مشہور گانے والوں سے گیت لکھوانا نہایت مشکل کام ہے۔

ہمارے سماج اور خصوصاً مسلمان عورتوں میں پردہ کا رواج بھی اس کے لیے ایک بڑا مسئلہ ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ لوک گیت زیادہ تر عورتوں کی زبان پر ہے اور وہی گاتی ہیں۔

لہذا اس سلسلے میں زیادہ عورتوں سے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے لیکن پردے کا رواج ہونے کی وجہ سے کسی گاؤں کی بہو بیٹی غیر مرد کے سامنے نہیں آتیں۔ یہاں تک کہ اکثر جگہوں پر بوڑھی عورتیں بھی پردے کی قائل ہیں اور وہ بھی کسی غیر مرد کے سامنے آنا پسند نہیں کرتیں۔ ظاہر ہے کہ جو عورتیں کسی کے سامنے آ نہیں سکتیں وہ گیت کیا گا سکتی یا لکھوا سکتی ہیں۔ موجودہ کچھ تعلیم یافتہ لڑکیاں جو پردہ کی قائل نہیں ہیں وہ یا تو اس طرح کے گیت گانا عیب سمجھتی ہیں یا پھر وہ لوک گیت سے آشنا ہی نہیں ہوتیں۔

مذکورہ بالا مسائل کی وجہ سے آج لوک گیت یا لوک ادب کی تحقیق کے سلسلے میں کافی پریشانیاں ہیں لیکن پھر بھی اگر لوگ اس سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں تو وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال کر اس طرف گامزن ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے محنت، لگن اور کافی وقت درکار ہے۔

۴۔ لوک ادب کی تحقیق کے ذرائع:

لوک ادب کی تحقیق کے ذرائع کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(الف) اندرونی ذرائع (Internal Sources)

(ب) بیرونی ذرائع (External Sources)

اندرونی ذرائع:

۱۔ عوام کے ساتھ دوستانہ تعلقات: لوک ادب کے ایک محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس علاقے کو اپنی تحقیق کا مرکز بنائے وہاں کے عوام کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم کرے۔

وہ ان کے کلچر میں رچ بس جائے تاکہ ان کے کلچر کو ادنیٰ اور خود کو بہت اعلیٰ سمجھے۔ اگر یہ احساس اس میں ہوا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پائے گا۔ لہٰذا مقامی لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک و برتاؤ کرے اور مقامی اصول و ضوابط کے تحت رہے۔ اسی بات کو صوفیہ برن نے کچھ اس طرح لکھا ہے۔

"A kindly simple genial manner, much patience in listening and quick perception of and compliance with the local rules of etiquette and courtesy are needful."

اس کے علاوہ مقامی لوگوں کے رسم و رواج میں دلچسپی لینا بھی ضروری ہے چاہے وہ کتنا ہی ادنیٰ درجہ ہو ان کی روایت کی اگر ہم عزت نہیں کریں گے تو وہ لوگ ہماری طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ باہر جو لوگ وہاں تحقیقی کام کرنے جاتے ہیں ان کے سامنے یہ مسئلے ہوتے ہیں۔ وہ مقامی لوگوں کے رسم و رواج اور قاعدے قانون سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ملنے جلنے کے طور طریقوں کو جاننا محقق کا پہلا فرض ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ ان باتوں کو ان ہی کی نقطہ نظر سے سمجھنے کی کوشش کرے اس سے مقامی لوگوں کا اس پر یقین جم جائے گا۔ اور بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔

۲۔ تحقیقی صلاحیت: ایک محقق کو چاہیے کہ وہ اپنی صلاحیت سے لوک ادب کے بکھرے ہوئے مواد کو جمع کرے۔ انھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کون سا مواد کہاں سے اور کس طرح دستیاب ہو سکتا ہے۔ لوک ادب کی کچھ چیزیں عورتوں سے وابستہ ہوتی ہیں تو کچھ مردوں سے

کچھ رسم و رواج کسی خاص فرقے کے لوگوں میں ہی رائج ہے لہٰذا اس کے متعلق لوک کہانیاں بآسانی وہیں مل سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں انگریزی عالم صوفیہ برن کا خیال ہے کہ :

"Young women are the best authorities on love songs, charms, omens and simple methods of divination, old women on nursery songs and tales and all the lore connected with birth, death and sickness. One must take to the hunter about birds and beasts, to the wood cutter about trees and to the housewife about baking and washing."

مطلب یہ کہ نوجوان عورتیں محبت کے گیت، جادو ٹونا، شگون اور بھوت و پیاہر میں گرفت رکھتی ہیں۔ بوڑھی عورتیں، بچوں کے گیت، لوک کہانی اور پیدائش و موت اور بیماری سے متعلق زیادہ جانکاری رکھتی ہیں۔ لوک ادب جمع کرنے والوں کو جانور اور پرندوں کے متعلق شکاریوں سے بات چیت کرنی چاہیے۔ لکڑہارے سے درختوں کے بارے میں اور

گھر والی سے باورچی خانے اور برتن دھونے کے متعلق پوچھنا چاہیئے۔ کہنے کا مقصد یہ کہ مختلف چیزوں پر مختلف لوگوں کی اپنی الگ الگ مہارت ہوتی ہے لہذا محقق کو اسی حساب سے اپنا تحقیقی کام کرنا چاہیئے۔

کچھ نچلے طبقے جنکو ہم گا ریج ذاتی کہتے ہیں، ان کے رسم و رواج کچھ الگ ہے اور ان کے یہاں خوبصورت گیتوں کا ذخیرہ ہے۔ اگر ہم اپنے دل میں یہ مان لیں وہ تو چھوٹی ذات کے لوگ ہیں وہاں نہیں جانا چاہیئے تو ہم ایک اہم مواد سے محروم ہو جائیں گے۔ اس طرح کا خیال یا (feelings)، ہمارے دل میں بالکل نہیں آنا چاہیئے۔

دوسری بات یہ کہ محقق خود سے کسی بات کو بغیر غور و فکر کے قبول نہیں کر لینا چاہیئے کہ کسی خاص فرقے میں کسی خاص روایت یا گیت کا رواج نہیں ہے یا پھر وہ لوگ اس خاص روایت میں یقین نہیں رکھتے۔ اگر کوئی بات محقق کی نظر میں تحقیق کے تحت نہیں آتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مذکورہ روایت یا گیت کی وجود ہی نہیں ہے بلکہ اس محقق کو چاہیئے کہ اس چیز کی کی پورے ثبوت کے ساتھ قلم بند کرے۔ مختصر یہ کہ کسی چیز کو تب تک اقرار یا انکار نہیں کرنا چاہیئے جب تک کہ اس کا مکمل ثبوت نہ مل جائے۔

۳۔ **مقامی زبان یا بولیوں کے اثرات:** یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی علاقہ کا لوک گیت اس علاقے کی مقامی زبان یا بولیوں سے متاثر ہوتا ہے جو ایک فطری چیز ہے۔ لہذا ایک محقق کو اس زبان یا بولی کی جانکاری کرنا بہت ضروری ہے ورنہ غلط

اس علاقے کے لوک گیت کو اس کی اصل شکل میں نقل نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ اس زبان یا بولی سے واقف ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس لفظ کا ترجمہ اپنی زبان میں نہ کرے کیونکہ اس سے اس گیت کی خوبصورتی اور دلکشی جاتی رہے گی۔ تلفظ کے معاملے میں کچھ ایسا ہی رویہ اپنایا جائے نہ کہ اپنی طرف صحیح تلفظ لکھ دیا۔ کہنے کا مطلب یہ کہ اس کو ہو بہو اپنی اصل شکل میں نقل کر دینا چاہیے۔

۴۔ **انداز بیان:** لوک ادب کے مواد کو جمع کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ جس کہانی یا گیت کو جس انداز میں سنے اسی انداز میں ظاہر کرے۔ اگر کسی کہانی یا گیت میں کسی طرح کی غلطی کا احساس ہو تو محقق اپنی عقل سے اس کو غلطی درست نہ کریں۔ یہ ترمیم کبھی کبھی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے اور گیت یا کہانی کے اصل معنی کو برباد کر دیتی ہے۔ گیتوں اور کہانیوں میں محقق کو اپنی جانب سے ترمیم و اضافہ کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ جو چیز ان کی سمجھ نہیں آ رہی ہو ہو سکتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد وہ مسئلہ سلجھ جائے اور اس کے صحیح معنی کا پتہ چل جائے۔ لہٰذا اس سلسلے میں احتیاط برتنا چاہیے۔

ثبوت: لوک ادب کے سلسلے میں مواد جمع کرنے کا ذریعہ اور اس کا ثبوت لازمی ہے۔ محقق کو چاہیے کہ وہ اپنے مواد کے سلسلے میں جن جن لوگوں سے رابطہ قائم کیا، ان کا نام، ان کی عمر، عورت ہے یا مرد، ان کا مشغلہ، ان کی حالت (Status)، ان کا مقام پورے پتے کے ساتھ، ان تمام باتوں کو اپنے نوٹ بک میں ضرور درج کریں۔

ہاں اس سلسلے میں تحقیق کار کو ایک مسئلہ لاحق ہو سکتا ہے وہ یہ کہ کچھ لڑکیاں یا عورتیں ایسی بھی ملیں گی جو لوک گیت یا کہانیاں تو لکھوا دیں گی لیکن وہ اپنا نام غلطی نہیں بتائیں گی۔ اس کے لیے میں یہ مشورہ دینا چاہوں گا کہ وہ اگر اپنا نام نہیں بتانا چاہے تو ان پر زیادہ زور بھی نہیں ڈالنا چاہیے۔ میں گانے والوں کے نام و پتہ اور علاقہ وغیرہ کے متعلق جانکاری رکھنے کے لیے اس لیے زور دے رہا ہوں کہ اس کے کئی فائدے ہو سکتے ہیں۔ کوئی عالم اگر کسی گیت یا کہانی کی جانچ کرنا چاہے گا تو وہ آسانی سے کر سکے گا۔ اس سے یہ بھی جانا جا سکتا ہے کہ کس صوبہ، کس ضلع اور کس علاقہ کون سی بولی رائج ہے۔ کس فرقہ میں کون سے گیت یا کون سی کہانیاں کس شکل میں رائج ہیں، اس کا بھی اندازہ آسانی سے ہو سکے گا۔

اس کے علاوہ محقق کو ایک اور اہم بات کا دھیان رکھنا چاہیے کہ وہ مختلف علاقوں کے ایک ہی قسم کے لوک گیت یا کہانیوں کو جمع کرے۔ کیوں کہ ایک ہی گیت یا کہانی مختلف علاقوں میں مختلف تبدیلیوں کے ساتھ رائج ہے۔ اور شاید اس تبدیلی یا ترمیم کی وجہ وہاں کی مقامی بولیاں ہو سکتی ہیں۔ جس کو مختلف علاقوں کے لوگ اپنے اپنے طور پر ترمیم و اضافے کر کے اپنا لیے ہوں گے۔ مثال کے طور پر آلھا شروع شروع میں بندیلی میں لکھا گیا تھا جو اب نایاب ہے۔ لیکن یہ آلھا آج بھی بھوجپوری، قنوجی وغیرہ میں آج بھی موجود ہے۔ جس کے اس میں بہت ہی فرق آ گیا ہے۔ لہٰذا اس جانب بھی محقق کی نظر مبذول ہونی چاہیے جب ہی وہ اپنے تحقیق کے ساتھ انصاف کر پائے گا۔

(ب) بیرونی ذرائع :

۱۔ کاغذ قلم اور پنسل : لوک ادب کے متعلق مواد جمع کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ کاغذ، قلم اور پنسل رکھیں۔ اور ہر لوک کہانی، لوک گیت، رسم و رواج، روایات، قاعدے و اصول الگ الگ صفحوں پر تحریر کریں۔ جس سے ضرورت پڑنے پر آسانی سے دیکھا اور پڑھا جا سکے۔ اگر ان کو کوئی خاص بات ان گیتوں یا کہانیوں میں نظر آئے تو اسے لال رنگ کی پنسل سے نشان لگا دیں تاکہ اسے پھر سے دیکھنے میں آسانی ہو۔ لہٰذا ان تینوں چیزوں کی ایک محقق کو اتنی ہی ضرورت ہے جتنی ضرورت سپاہی کے لیے میدانِ جنگ میں بندوق، توپ اور بم کی ہے۔

۲۔ ٹیپ ریکارڈر : لوک ادب کے مواد اکٹھا کرنے کے سلسلے میں ٹیپ ریکارڈر کا ایک اہم رول ثابت ہو سکتا ہے۔ جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ لوک گیت گانے والے جب اپنی دھن میں گانا شروع کرتے ہیں تو اس کو نقل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ٹیپ ریکارڈر موجود ہو تو یہ گیت آسانی سے ٹیپ کیا جا سکتا ہے اور پھر بعد میں بار بار اس گیت کو سن کر صحیح صحیح نقل کیا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مختلف گیتوں کو گانے کے بھی مختلف طریقے (Tunes) ہیں۔ شادی بیاہ کے گیت گانے کی لے الگ ہوتی ہے۔ پیدائش، موت اور کاشتکاری وغیرہ کے گیتوں کی لے الگ۔ ان گیتوں کو ٹیپ کرنے سے ان کی گیتوں کی مختلف لے کا بھی اندازہ ہو سکے گا۔ اس ضمن میں یہ بھی بتا دوں کہ کچھ لوگ اپنی گیت یا

کہانیوں کو ٹیپ کروانا نہیں چاہیں گے۔ وہ اس لیے کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ ان کو یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ شاید ٹیپ کرنے والا کوئی خفیہ عملے کا لوگ نہ ہو جو بعد میں ان کو نقصان پہنچائے۔ اس مسئلے کا یہی حل ہے کہ ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر رکھا جائے جو جیب یا اندر کسی کپڑے میں چھپایا جا سکتا ہو جس سے ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا اور کام بھی بن جائے گا۔

۳۔ کیمرہ: دیہاتوں میں مختلف قسم کے رواج رائج ہے۔ پوجا پاٹ، جادو ٹونا، بھوت پریت، لوک ناچ وغیرہ ان میں اہم ہیں۔ اس کے مطالعہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ تحقیق کار کے پاس ایک کیمرہ ہو۔ جس سے وہ ان تمام چیزوں کی تصویر لے سکے۔ میرا یہ تجربہ ہے کہ دیہاتی لوگ اپنی تصویر دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ اگر ان کو ان کی فوٹو کی ایک کاپی دے دیا جائے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور پھر سے اور بھی دوسری چیزوں کی تصویر لینے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اور دوسری طرح کی مدد بھی کر دیتے ہیں جس سے محقق کو اپنے مواد جمع کرنے میں کافی آسانی ہو جاتی ہے۔

۴۔ فلم کا بنانا: گاؤں یا دیہاتوں کے مختلف رسم و رواج کی جانکاری لینے اور دوسروں کو دینے کے لیے فلم کا بننا بہت ضروری ہے۔ گاؤں میں آئے دن ہونے والے تقریبات اور رسومات مثلاً شادی بیاہ کا طریقہ، رخصتی کا منظر، مرثیہ گاتی اور بین کرتی ہوئی عورتوں کا نظارہ۔ ڈھولک اور ناچ کا منظر۔ عید و بقرعید، ہولی و دیوالی کے علاوہ دیگر تہوار ہیں۔ کیمرہ ان کا طور طریقہ کو محفوظ رکھنے کے

لیے ان کی فلم بنایا جانا چاہیے۔ آج کل V.C.R اور Moving cemra سے یہ کام آسانی سے انجام پا سکتا ہے۔ لہٰذا لوک روایت اور لوک ادب کی تحقیق کے لیے یہ ضروری ہے۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ سبھی تحقیق کار پیسے والے نہیں ہوتے ہیں۔ ان کے پاس ٹیپ ریکارڈر، V.C.R، Moving Camra نہیں ہوتے۔ تو اس کے لیے سرکار کو یا پھر طالب علموں کے لیے یونیورسٹی کے حکام کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو مہیا کریں۔

۷۔ لوک ادب کے اقسام :

لوک ادب کو اگر عوامی زندگی کا آئینہ کہا جائے تو نامناسب نہیں ہوگا۔ لوک ادب کا رشتہ براہ راست عوام کے دلوں یعنی دل کی دھڑکنوں سے ہے۔ عام لوگ جو کچھ بھی سوچتے ہیں یا جن چیزوں کا انھیں احساس ہوتا ہے دراصل وہی لوک ادب کی بنیاد ہے۔ دیہاتوں میں لوگ اپنی تفریح کے لیے مختلف ہنر اور صورتیں تلاش کر لیتے ہیں چاہے وہ گیت گا کر ہو یا گیت سنا کر، کہانیاں کہہ کر ہو یا کہہ سن کر، ڈرامے کھیل کر ہو یا اسے دیکھ کر، پہیلیاں یا کہاوتیں کہہ کر ہو یا بوجھ سن کر۔ کسی نہ کسی طرح وہ اپنی تفریح کے اسباب فراہم کر ہی لیتے ہیں۔ اس طرح ہم لوک ادب کو پانچ مختلف حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ لوک گیت (FOLK SONGS OR FOLK LYRICS)

۲۔ لوک کہانی ~~FOLK~~ (FOLK TALES)

۳۔ لوک گاتھا (FOLK BALLADS)

۴۔ لوک ڈرامہ (FOLK DRAMA)

۵۔ لوک محاورے (FOLK SAYINGS)

یہاں میں اپنے موضوع کے تحت صرف لوک گیت کا ذکر کروں گا اور وہ بھی نیپالی لوک گیت کے سیاق و سباق میں۔ نیپالی لوک گیتوں پر اردو کے لسانی اثرات سے بحث کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ کچھ لوک گیت کے متعلق بتاتا چلوں۔

۸۔ ہندوستان میں ۱۹۲۰ء میں کافی تعداد میں لوک ادب سے متعلق تحقیقی کام ہوئے اور بہت سی کتابیں اور مضامین منظر عام پر آئیں۔ لیکن ابھی تک غیر ملکی عالموں کے ہاتھوں ہی لوک ادب کی خدمت ہوتی رہی۔ اس کے بعد کے دور میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بھی ہندوستانی عالموں نے بڑی محنت و جانفشانی سے لوک ادب اور لوک کلچر کے مطالعے کو آگے بڑھایا اور اسے مدفون ہونے سے بچا لیا۔ ہندوستانی عالموں کا یہ قافلہ تن من دھن سے لوک ادب کی تحقیق کے سلسلے میں رواں دواں رہا۔ جن میں راجستھانی، برج بھاشا، اودھی، بندیل کھنڈ کا مالوی، چھتیس گڑھی، گڑھوالی، کماؤنی، بھوجپوری، میتھلی وغیرہ کے لوک گیت، لوک کہانیاں وغیرہ بھی جمع کئے گئے۔ لیکن بڑی افسوس کی بات ہے کہ اردو لوک ادب پر ابھی تک کوئی تشفی بخش کام نہیں ہو پایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندی کے ایک ادیب نے اپنی ایک کتاب میں اردو کو ایک منفرد اور آزاد درجہ دینے کے خلاف جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں ایک سب سے بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اردو کا کوئی لوک ادب نہیں ہے۔ ان کا یہ کہنا نہ صرف مضحکہ خیز

ہے بلکہ حقائق سے چشم پوشی اور غلط بیانی کی علامت بھی ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے ان کی بات مان لی جائے تو یہ کہنا ہوگا کہ اردو بولنے والوں کی مائیں ہوتی ہی نہیں اگر ہوتی بھی ہیں تو وہ گونگی ہوتی ہیں جس سے وہ اپنے بچوں کو تھپکیاں دیتے ہوئے لوریاں سناتی ہی نہیں۔ اس کے متعلق پروفیسر قمر رئیس اپنی مرتب کتاب "اردو میں لوک ادب" میں بہت اچھا جواب دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"..... ظاہر ہے جس زبان کی تشکیل ہی مختلف قوموں کے باہمی میل جول اور اجتماعی ارتباط کا نتیجہ ہو اس کے بارے میں اس طرح کا دعویٰ مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کے ان دعوے کو مان لیا جائے تو کہا جائیگا اردو بولنے والوں نے اپنی ماؤں کی لوریاں نہیں سنیں۔ ان کی ولادت پر گیت نہیں گائے گئے۔ سردیوں کی ٹھٹھرتی راتوں میں ان کی دادیوں یا نانیوں نے کہانیاں نہیں سنائیں۔ دالان گھریلو تقریبات میں ڈھولک کی تھاپ پر کنواریوں اور بیاہیوں نے گیت نہیں الاپے ڈومنیوں نے ان کی شادی بیاہ پر شادیانے نہیں گائے۔ ایسے موسمی سے کبھی ان کے دل میں ترنگ پیدا نہیں ہوئی۔ انھوں نے ساون میں جھولے نہیں جھولے۔ (بحوالہ اردو میں لوک ادب۔ پروفیسر قمر رئیس)

ایسا قطعی نہیں ہے۔ ہمیشہ سے اردو سماج میں یہ سب کچھ ہوتا آ رہا ہے چاہے وہ گاؤں ہو یا بازار شہر ہوں یا قصبات ہر جگہ ہر گھر اور ہر فرد کے ساتھ پیدائش سے لیکر موت یہ تمام چیزیں ہوتی آئی ہیں البتہ یہ صحیح ہے کہ شمالی ہند میں اردو اور ہندی کا علاقہ مشترک رہا ہے دونوں ہی زبان والوں کے رسم و رواج، رہن سہن طور طریقے وغیرہ ایک جیسے رہے ہیں اور دونوں طبقے ایک دوسرے سے مختلف سطحوں پر ملتے رہے ہیں لہذا لوک ادب کا ایک بڑا حصہ مشترک ہے مثال کے طور پر یہاں ایک گیت درج کیا جا رہا ہے جس سے یہ حقیقت ہم پر واضح ہو جائیگی:

جو میں ہوتی راجہ ون کی کوئلیا
کوہک رہتی راجہ تورے بنگلے میں
نجر لاگی راجہ تورے بنگلے میں

جو میں ہوتی راجہ جل کی مچھلیا
تڑپ رہتی راجہ تورے بنگلے میں
نجر لاگی راجہ تورے بنگلے میں

جو میں ہوتی راجہ بیلا رے چمیلیا
چٹک رہتی راجہ تورے بنگلے میں
گمک رہتی راجہ تورے بنگلے میں
نجر لاگی راجہ تورے بنگلے میں

جو میں ہوتی راجہ توری دلہنیا

لپٹ رہتی راجہ تورے بنگلے میں

بجر لاگی راجہ تورے بنگلے میں ۔

اب یہاں آپ اس گیت کو کیا کہیں گے اردو کا ہے؟ ہندی کا ہے؟ یا پھر بھوجپوری کا؟ یہ گیت بہار کا تسلیم کیا جاتا ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اردو اور ہندی کے مشترک علاقے میں بہار بھی شامل ہے یہاں اردو اور ہندی کے علاوہ بھوجپوری، میتھلی، مگہی اور دوسری مقامی زبانیں و بولیاں بولی جاتی ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ کسی زبان کا لوک گیت یا لوک ادب مختلف علاقوں میں مختلف زبانوں اور مختلف بولیوں سے متاثر ہوتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ایک ہی لوک گیت مختلف علاقوں میں کچھ ترمیم و اضافے یا الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ رائج ہے مثال کے طور پر ڈاکٹر محمد حسن نے لوک گیت کے سلسلے میں ایک لوک گیت نقل کیا ہے موصوف کے مطابق یہ گیت میراثنیں شادی کے چوتھے دن چوتھی کے موقع پر گاتی ہیں لیکن بہار میں یہی گیت عام دنوں میں بھی گایا جاتا ہے۔ بہار میں یہ لوک گیت گاتے ہوئے میں نے صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ خود بھی کم عمری کے زمانے میں اپنے چھوٹے بھائی کو گود میں لیکر گایا بھی ہے وہاں چاندنی راتوں میں عورتیں اپنے بچوں کو، لڑکیاں یا بالیاں اپنے بھائی بہن، بھانجہ بھانجی، بھتیجہ بھتیجی یا دیگر کسی عزیز کے بچوں کو گود میں لیکر چاند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بچوں کو چاند دکھاتی ہیں اور بہت ہی مترنم انداز

میں یہ گیت گاتی ہیں لیکن اس گیت میں مقامی اثرات کی وجہ سے کچھ فرق نظر آتا ہے!

وہ گیت جو ڈاکٹر محمد حسن نے نقل کیا ہے درج ذیل ہے۔

چندا ماما دور کے
بڑے پکائیں بور کے
آپ کھائیں تھالی میں
ہم کو دیں پیالی میں
پیالی گئی ٹوٹ
چندا ماما گئے روٹھ
پیالی آئی اور
چندا ماما آئے دوڑ

یہی گیت کچھ فرق کے ساتھ ہمارے شمالی و مشرقی علاقوں میں گایا جاتا ہے!

چندا ماما دور کے
پوا پکائیں گوڑ کے
اپنے کھائے تھالی میں
منا کو دیں پیالی میں
پیالی گئی پھوٹ

چندا ماما گئے ڈرو لو

پیاپی آئی اور

چندا ماما آئے دوڑ

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بہار میں اردو لوک گیت بھوجپوری، میتھلی، مگہی و دیگر مقامی بولیوں سے اثر قبول کرتے رہے ہیں۔

اردو میں لوک ادب کی روایت

جہاں تک اردو میں لوک ادب کی روایت کا سوال ہے وہ زیادہ قدیم نہیں تو زیادہ جدید بھی نہیں ہے اس کا ابتدا ۱۲۰۶ء میں دلی سلطنت کی بنیاد پڑنے کے بعد سے ہی مانا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مسلمان زمانہ قدیم میں تقریباً بارہ چودہ سو سال پہلے دکن کے ساحلوں پر بغرض تجارت آتے تھے۔ انہوں نے نہ صرف وہاں قیام کیا بلکہ شادیاں کر کے رچ بس بھی گئے پھر آٹھویں صدی میں محمد بن قاسم ہندوستان میں داخل ہوا اس کا مقصد ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ تھا لہذا اس نے کراچی و ملتان سے لیکر گوا پیر ہندوستان کو فتح کر لیا اس طرح عراقی عربوں کے اثرات سندھ پر پڑے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے عربی الفاظ سندھی میں آگئے۔ محمود غزنوی اور محمد غوری نے ہندوستان پر حملے کئے اور اس کے علاوہ یہاں صوفیائے کرام اور درویشوں کا بھی ہمیشہ تانتا سا لگا رہا

نتیجتاً معاشرت اور زبان کے اثرات کے ساتھ ساتھ باہم اختلاط کے ساتھ ایک نئی بولی وجود میں آئی جو لوک گیتوں میں استعمال ہوئی اس ضمن میں اظہر علی فاروقی اپنی کتاب "اترپردیش کے لوک گیت" میں تحریر کرتے ہیں:

"..... زبان اور بول چال کے لہجے میں بہت بڑا فرق پیدا ہو گیا مسلمانوں کی ترکی اور فارسی زبانوں پر برج بول مسلط ہونے لگی اور برج بول ترکی و فارسی الفاظ اپنانے لگی اس طرح ایک ایسی بولی کی زمین ہموار ہونے لگی جو لوک گیتوں میں کام آئی" [1]

ڈاکٹر وہاب اشرفی بھی لوک ادب کی ابتدا انیسویں صدی سے ہی تسلیم کرتے ہیں وہ اپنے ایک مضمون "لوک ادب کی روایت" میں رقم طراز ہیں:

"اردو میں لوک ادب کی تاریخ دنیا یا ہندوستان ہی کی دوسری اہم زبانوں کے مقابلے میں قدیم نہیں۔ اسے زیادہ سے زیادہ تیرھویں صدی عیسوی سے تلاش کیا جا سکتا ہے جب اردو کا ڈول اور کینڈا مرتب ہو رہا تھا بازاروں، خانقاہوں اور امرا و روسا کے گھر میں اس کی آرائش کی جا رہی تھی۔" [2]

---

[1] اترپردیش کے لوک گیت ۔ اظہر علی فاروقی ص ۲۰

[2] اردو میں لوک ادب ۔ مرتبہ پروفیسر قمر رئیس

اس دور میں بادشاہ و امراء اپنی دل بستگی کے لئے ایسے لوگوں کو بلواتے رہے جو ان کو قصے کہانی سنائیں۔ غیر تحریری لوک ادب میں بھی یہ تاثیر ہوتی ہے کہ وہ سامعین کو سننے کے لئے مجبور کر دیتا ہے۔ لوک گیت گانے والے یا لوک قصہ گو اپنے گیتوں یا قصوں میں وہ تاثیر پیدا کرتے ہیں کہ سننے والے خود بخود اس جانب کھنچا چلا آتا ہے اس کے لئے وہ اپنے گیتوں یا کہانیوں میں دلچسپیاں کوٹ کوٹ کر بھر دیتے ہیں۔ منظر نگاری نے اس میں جان ڈال دیتے ہیں۔ مکالمہ ایسا پیش کرتے ہیں کہ مجلس میں خاموشی طاری ہو جاتی ہے غرض کہ تمام چیزوں کو فطری انداز میں پیش کرتے ہیں اس طرح داستان، قصے اور لوک گیت سننے اور سنانے کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ چونکہ یہ ایک غیر تحریری ادب ہے لہذا ان لوگوں کی یادداشتیں قابل داد ہیں جو ایک لمبے عرصے کے بعد بھی بغیر کسی لغزش کے تمام چیزیں اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے ہیں آج داستانوں کی ضخیم جلدیں اس کا نتیجہ ہیں۔

لوک ڈرامہ : بھانڈوں کی کچھ حرکتیں جن کو پروفیسر وہاب اشرفی قدیم ڈرامہ کی ایک شکل مانتے ہیں اور اسے مختصر لوک ڈرامہ بھی کہا جا سکتا ہے اس دور میں شادی بیاہ یا دیگر گھریلو تقریبات کے موقعوں پر بھانڈ کو مدعو کرتے تھے جو نت نئی حرکتوں سے حاضرین مجلس کو محظوظ کرتے اور وہ ایسی حرکتیں کرتے کہ لوگ انہیں انعام اور شاباشی دینے پر مجبور ہو جاتے اور کوئی انعام دینے سے بخل کرتا تو وہ اس کی اچھی خاصی مذاق اڑاتے۔ پروفیسر وہاب اشرفی بھانڈوں کا ایک کھیل نقل

کرتے ہیں۔ موضوع ہے کون مراثی۔ نقل یوں پیش کی گئی ہے کہ کسی نواب نے انعام دینے سے بخل کیا — بھانڈوں نے زمین کھودی پھر باری باری اس میں جھانکنا شروع کیا — ہر بھانڈ کہتا کہ ہے — میں نے دیکھا۔ میں نے باپ کو دیکھا میں جلدی — آخر میں نواب کی شکل بنا کر ایک بھانڈ آتا ہے۔ جھانکتا ہے۔ پھر کہتا ہے اندر تو مجھے کچھ نظر نہیں آتا — مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا تو کیا میں مراثی ہوں۔ ایک جگہ پروفیسر محمد حسن نے عبدالحلیم شرر کی مشہور تصنیف "گذشتہ لکھنؤ" سے اس قسم کا ایک کھیل نقل کیا ہے کہ ایک قدرے نادار نواب نے بھانڈوں کو ایک پرانی شال انعام کے طور پر دی۔ بھانڈ کب چوکنے والے تھے انہوں نے تحفہ تو شکریے کے ساتھ قبول کر لیا پھر کھیل یوں شروع کیا کہ اللہ نے حکم دیا کہ شال پر پیغمبروں کے نام لکھے ہوئے ہیں — وہ پڑھے جائیں ایک بھانڈ حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ تک نام پڑھ جاتا ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ وہ محمد صلعم کا نام کیوں نہیں پڑھتا جواب دیا جاتا ہے کہ جس وقت یہ شال بنی تھی اس وقت حضرت محمد صلعم پیدا نہیں ہوئے تھے غرض یہ کہ ان دونوں کھیلوں کو ہم لوک ڈرامہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان میں ڈرامے کے عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔

لوک کہانی :

اردو لوک ادب کی اس گفتگو میں ڈرامے کے بعد لوک کہانیوں کا ذکر کرنا نامناسب نہیں ہوگا یہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں دادی یا نانی اپنے چھوٹے چھوٹے پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کو عموماً

رات میں بچوں کے سونے سے پہلے سناتی ہیں یہ قصے یا تو وہ اپنی ماں یا کسی دیگر رشتہ دار سے سن چکی ہوتی ہیں یا پھر کچھ اپنے طور پر ہی کہانیاں گڑھ لیتی ہیں یہ کہانیاں اکثر کسی پری یا دیوی، شیر، بلی اور کھالو وغیرہ سے متعلق ہوتی ہے جسے سن کر بچے لطف اندوز ہوتے ہیں اور کہانیاں سنتے سنتے نیند کی آغوش چلے جاتے ہیں بچوں کے لئے یہ کہانیاں ایک دوا کی حیثیت رکھتی ہیں جس کا استعمال سونے سے پہلے دادی یا نانی کرواتی ہیں جس سے بچے میٹھی مگر خوبصورت نیند سو جاتے ہیں لیکن ہماری شان یہ ہے کہ ہم ان کہانیوں کی طرف اور دوران بستی کی نظر نہیں پڑتی کہ ان کو جمع کرکے تحریر کردیں تاکہ ان کو برباد ہونے سے بچایا جاسکے ۔

لوریاں: لوک ادب کے سلسلے میں لوک گیت کا مقام بہت ہی اہم ہے لوک ادب میں دوسری صنفوں کے مقابلے میں لوک گیتوں کا ذخیرہ بہت زیادہ ہے اکثر ہم لوگ لوک گیتوں کا ذکر کرتے وقت بارہ ماسہ اور مرثیہ کو بھول دیتے ہیں جبکہ یہ دونوں لوک گیتوں کا ایک بڑا حصہ ہیں۔ لوک گیت کے سلسلے میں سب سے پہلے میں لوریوں کا ذکر کرنا چاہونگا جو بچے کو پیدائش سے ہی مائیں گاکر سناتی ہیں۔ چونکہ ہر انسان کی پہلی درسگاہ اس کی ماں کی گود ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بچے کا مستقبل برا ہو یا بھلا بہت حد تک ماؤں کی تربیت پر منحصر ہوتا ہے لہذا ماؤں کی یہی کوشش رہتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسی لوریاں سنائیں جن کا اثر ان کے دماغ پر پڑے اور بڑا ہوکر وہ اسی لوری والے بہادر کا کام انجام دینے کا حوصلہ کرے۔ کبھی کبھی مائیں بچوں کو پریوں، شہزادیوں کی حسین خواب

بھی اپنی لوریوں کے ذریعے سناتی ہیں۔ اگر بچہ بہت رو رہا ہو اور وہ نہ سوتا ہو تو یہ کہا جاتا ہے کہ مائیں بچوں کو سلانے کے لئے لوری جیسے آخری اور کامیاب ہتھیار کا استعمال کرتی ہیں۔ لوریوں کے ذریعے بچوں کو ابتدائی دور سے ہی ان کو اپنے ماحول اور معاشرے سے باخبر کرا دیا جاتا ہے۔ ان کے بزرگ کیا تھے؟ اور انہوں نے کون سے کام انجام دیئے اور ان بچوں کو بڑے ہو کر کیا کرنا ہے؟ وہ کس گھر، کس قوم اور کس فرقے میں پیدا ہوئے ہیں؟ اور ان کا اس لحاظ سے کیا فرض ہوگا؟ کس کام کو کرنے سے نام پیدا ہوگا اور کس کام سے انہیں بدنامی ملے گی؟ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کو لوریاں سنانے کا مقصد صرف ان کو سلانا ہی نہیں بلکہ ان میں شعور بھی پیدا کرنا ہے۔ اس لحاظ سے بھی ہماری زندگی میں لوریوں کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ آج شہروں میں ماؤں کی لوریوں کی جگہ بچوں کو مغربی موسیقی وگانے سنائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے شہر کے اکثر بچوں کے کان آہستہ آہستہ ان میٹھے اور سہانے گیت سے نامانوس ہوتے جا رہے ہیں اس لئے یہ ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ اپنی اس گرانقدر روایت کو برباد ہونے سے بچائیں جو بچوں کی تربیت کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے اور جس کے ذریعے وہ اپنے ماضی، حال اور مستقبل کو سمجھتا ہے اس کے متعلق رویندر ناتھ ٹیگور نے اپنی کتاب ”لوک ساہتیہ“ میں لکھا ہے:

"The child today is just as deli-
cate, as sweet and foolish, as

he was on the first of all days. This is because a child is natu-res creation while a grown up man in fabricated Largly by him-self. Nursury Rhymes being chi-ld literature, are natural creation".

— Rabindra Nath Tagor

شادیات کے گیت : اردو لوک گیتوں کا ایک بڑا حصہ شادیات پر بھی مشتمل ہے۔ مسلمانوں کے یہاں پردے کا رواج ہونے کی وجہ سے عورتیں گھر سے کم نکلتی رہی ہیں۔ وہ اپنی تفریح کے لئے اپنے ہی گھروں کی چہار دیواریوں کے اندر آس پڑوس کی عورتوں و لڑکیوں کو بلوا کر شادیات کے گیت گاتی رہی ہیں اور اس سے لطف اندوز ہوتی رہی ہیں۔ ڈھولک کی تھاپ پر شادیات کے گیت دیر رات تک جاری رہتے ہیں یہ عورتوں کی تفریح و دل بہلانے کا ایک بہترین ذریعہ رہا ہے۔ اردو میں بے شمار شادیات کے گیت مل جائیں گے۔ اس میں دیگر گیتوں کے علاوہ ایسے بھی گیت گائے جاتے ہیں جو نہایت فحش ہوتے ہیں۔ اس طرح کے گیت گانے میں

سنجیدہ قسم کی لڑکیاں اور عورتیں بھی پیچھے نہیں رہتیں ۔

لوک پہیلیاں : اردو لوک ادب کی روایت سے پہیلیاں بھی وابستہ ہیں جن کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا ۔ بہار کے دیہاتوں میں آج بھی عام دنوں کے علاوہ شادی بیاہ کے موقعوں پر خصوصی طور پر پہیلیاں بجھاتی ہیں۔ میں نے خود بھی دیکھا ہے کہ شادی کے موقع پر دلہن کے یہاں دولہا دلہن کو ملانے کی رسم کے وقت دلہن کی سہیلیاں دولہے سے مختلف قسم کی پہیلیاں بجھاتی ہیں۔ مثلاً وہ دولہے سے پوچھتی ہیں کہ " جو ہرو میٹھی یا شکر میٹھی " یا پھر یہ کہ " ایک چڑیا ایسی کھٹے پر بیٹھی مٹھی مٹھی چاول چھانٹے وہ چڑیا کیسی ،، وغیرہ وغیرہ ۔ گویا اس وقت دلہن کا گھر دولہا کے لئے اچھا خاصا امتحان گاہ بن جاتا ہے ۔ اگر دولہا امتحان میں کامیاب ہوگیا تو اسے آسانی سے دلہن کے پاس بیٹھنے کو مل جاتا ہے ۔ اگر وہ اس امتحان میں کامیاب نہیں ہوا تو پھر دولہا لڑکیوں کی ہنسی مذاق وطنز کا نشانہ بن جاتا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ شادی کے ایک ہفتہ قبل سے ہی دولہا کو اس کی بھابی ، بہن یا کوئی دیگر رشتہ دار عورت یا لڑکی دولہا میاں کو سسرالی امتحان میں آنے والے سوالوں کے امکانات اور ان کے جوابات سے آگاہ کر دیتی ہیں کہ کس طرح کے اور کون کون سے سوالات پوچھے جا سکتے ہیں اور ان سوالوں کے صحیح جوابات کیا ہونگے ۔ صحیح معنوں میں یہ سوالات اتنے دلچسپ اور معنی خیز ہوتے ہیں کہ اوروں کے علاوہ وہ دلہن بھی جو اس وقت شرم وحیا کی گٹھری بنی رہتی ہے گھونگھٹ کے اندر سے ہی سہی مگر ہنسنے

پر مجبور ہو جاتی ہے ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہیلیوں کی ابتدا بھی لوک گیتوں کے ساتھ ساتھ ہوئی ہوگی۔

ان دنوں بھی بہار کے کچھ حلقوں میں کچھ عجیب سے رسم و رواج دیکھنے کو مل جائیں گے بہار کیا بلکہ پورے ہندوستان کی اکثر کھیتی باڑی مانسون پر انحصار کرتی ہے کبھی مانسون اچھا رہا تو فصل اچھی ہوئی اور اگر مانسون نہیں آیا تو فصل دھوپ کی شدت سے جل جاتی ہے لہذا جب سوکھا پڑتا ہے تو بہار کے کچھ دیہاتوں میں یہ رواج اب بھی رائج ہے کہ کوئی کنواری جوان لڑکی بالکل عریاں ہوکر رات میں گھی کا دیا جلا کر گھر کی کوٹھی (اناج رکھنے والا وہ برتن جو مٹی کا بنا ہوتا ہے) پر رکھ دیتی ہے اس عمل کے دوران اور بھی عورتیں وہاں موجود ہوتی ہیں جو اس عریاں لڑکی کی پہیلیوں کا جواب دیتی ہیں کچھ اسی طرح کی بات کئی دوسرے مقامات پر دوسرے طریقے سے عمل پذیر ہوتی ہے اگر بارش نہیں ہو رہی ہو تو اور فصل سوکھ رہی ہو تو گاؤں کی عورتیں پوشیدہ طور پر ایک جوان لڑکی کو تیار کراتی ہیں وہ لڑکی رات گئے تک کھیت میں بالکل ننگی حالت میں کھڑی رہتی ہے گاؤں کی کوئی عورت کسی جوان لڑکے کو کسی بہانے سے اس کھیت پر بھیج دیتی ہے۔ وہاں وہ لڑکی اس لڑکے کو اس حالت میں پکڑ لیتی ہے اور پہیلیاں بجھاتی ہے اس لڑکے کو وہ تب تک نہیں چھوڑتی جب تک وہ اس کی تمام پہیلیوں کا جواب نہ دیدے ان عورتوں کا ماننا ہے کہ اس عمل کے کچھ ہی گھنٹوں بعد بارش شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح فصل جلنے سے بچ جاتی ہے۔ اس واقعہ کا بیان پروفیسر وہاب اشرفی نے بھی کیا ہے۔

ساماچکیبہ : ہمارے علاقوں میں کئی مقامات پر ایسی ایسی ساماچکیبہ پروگرام کا اختتام عورتوں کے ذریعہ دیر گئے رات تک جاری رہتا ہے اس کا مقصد یعنی بارش کرانا ہوتا ہے اس پروگرام میں عورتیں دو گروہوں میں بٹ جاتی ہیں ایک گروہ سے ایک لڑکی لڑکے کا لباس زیب تن کرکے لڑکا بن جاتی ہے اور دوسرے گروہ کی ایک لڑکی کو اس کی محبوبہ بنا دیا جاتا ہے پھر دونوں طرف سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور دیر رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اس میں زیادہ تر فحش کلام ہوتا ہے اس میں گیتوں کے علاوہ پہیلیاں بھی بجھائی جاتی ہیں اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ پہیلیاں ہمارے تمدن اور معاشرتی و ثقافتی زندگی کے گوناگوں پہلوؤں کی عکاس ہوتی ہیں اس ضمن میں امیر خسرو کا بھی نام لیا جا سکتا ہے جن کے نام سے منسوب بہت سی پہیلیاں منسوب ہیں اور جو بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

لوک مرثیہ : لوک گیت میں وہ گیت بھی شامل ہیں جو مرثیہ کہلاتے ہیں یہ گیت دیہاتوں میں عورتیں محرم کے مہینے میں گاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ محرم کی پہلی تاریخ سے دسویں تاریخ تک مسلسل مرثیے کا زور رہتا ہے اس گیت میں حضرت امام حسین اور ان کے رفقاء و خاندان والوں کے اوصاف حمیدہ اور مصیبتیں بیان کی جاتی ہیں۔ کربلا کا میدان اور شہیدان کربلا کا ذکر ہوتا ہے۔ عورتیں ماتم کرتی ہیں صرف عورتیں ہی نہیں اس کام میں مرد بھی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ہمارے علاقوں میں مردوں کے مرثیے گانے کا انداز بہت نرالا ہے وہ اجتماعی طور پر مرثیہ گاتے ہیں ان لوگوں کے ہاتھوں

میں بانس کی بنی چھڑیاں ہوتی ہیں تمام لوگ گول دائرہ بنا کر ایک شخص دوسرے شخص کی چھڑیوں پر مارتا ہے اور نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ لوگ جوش میں آنے کے بعد چھڑیوں سے اپنے ہاتھوں پر مارنا شروع کر دیتے ہیں ۔ اور انہیں چوٹ کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا ۔ چھڑی کے بجنے کی آواز فضا میں ایک موسیقی پیدا کر دیتی ہے جو گانے والوں کی درد و کرب میں بھری آواز میں اور بھی زیادہ موسیقیت پیدا کر دیتی ہے ۔ اسی طرح اتر پردیش کے خصوصاً شیعہ مسلمانوں کو اپنی جسم کو چاقو و چھریوں سے لہولہان کرتے اور مرثیہ گاتے دیکھا جا سکتا ہے ۔ نیپالی مسلمان بھی بڑی دھوم دھام سے تعزیہ و امام باڑوں کی تعمیر کرتے ہیں اور محرم مناتے ہیں وہ لوگ مقامی زبانوں کے علاوہ اردو میں بھی مرثیہ گاتے ہیں یہ اردو لوک مرثیہ دراصل آج کی ادبی مرثیہ کی بنیاد کہی جا سکتی ہے لیکن آج ہمارے محققین اور ناقدین حضرات لوک مرثیے کی طرف نظر نہیں ڈالتے ۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ان غیر تحریری مرثیوں کو یکجا کر کے ان پر اپنے اظہار خیال کریں اور ان کی افادیت و اہمیت پر روشنی ڈالی جائے ۔

بارہ ماسہ :

اردو لوک ادب میں بارہ ماسہ کو بھی نمایاں اہمیت حاصل ہے پروفیسر وہاب اشرفی کا خیال ہے کہ لوک مرثیوں کی طرح بارہ ماسہ بھی محققین اور ناقدین کی نا توجہی کا شکار رہے لیکن اب موسم بدلا ہے اور کچھ لوگ اس طرف مائل نظر آتے ہیں ۔ انہوں نے بارہ ماسہ کے متعلق ڈاکٹر مونس کا خیال نقل کیا ہے

" بارہ ماسہ میں ایک ہجر زدہ اپنے شوہر کی مفارقت میں نالاں و گریاں

دکھائی جاتی ہے سال کے بارہ مہینوں میں موسم کی تبدیلیاں اس کے جذبات واحساسات میں جو نشیب وفراز پیدا کرتی ہیں انہی کا بیان بارہ ماسہ کا مخصوص موضوع ہے۔"۔۔۔۔۔۔۔ آم، جامن، ٹیسو، کالی کالی گھٹائیں کڑ کڑاتے جاڑے اور تپتی دھوپ، کویل، مور، پپیہے غرض کہ ہر چیز اس دوران نصیب کے دل میں کسک، پیڑ، پیار، امنگ اور جلن کے جذبات پیدا کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اس میں اظہار جذبات عورت کی زبان میں ہوتا ہے۔۔۔۔۔ کبھی کبھی وفور جذبات میں ۔۔۔۔۔ وہ کسی سہیلی یا طائر، گھٹا، یا بادل کو اپنا دکھڑا سنانے لگتی ہے۔۔۔۔۔ بارہ ماسہ اودھی، برج، کھڑی، میتھلی، پنجابی ہریانی وغیرہ تمام بولیوں میں ملتا ہے۔ اردو بھی اس بارے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے"۔ ؎۱

ایک دوسرے مقام پر ڈاکٹر مونس یوں لکھتے ہیں۔

"بارہ ماسوں کے ضمن میں ان عوامی بارہ ماسوں کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا جو آج ہندو گھرانوں میں تیوہاروں، خصوصاً تیجوں یا ساون کی ہریالی تیجے کے موقعوں پر گائے جاتے ہیں ان میں لوک

؎۱ اردو میں لوک ادب۔ مرتبہ پروفیسر قمر رئیس

گیتوں کی قربت کے باوجود بارہ ماسہ کی روایتی شاعری نہایت
دل کش انداز اور پوری آب و تاب کے ساتھ نظر نواز ہوتی ہے۔
کہیں کہیں تو ادب حدود کو چھونے لگتی ہے ...... ۱۵؎

اس کے علاوہ ہمارے اردو لوک ادب میں محاوروں، کہاوتوں، چہار بیتوں، سانگ، رسیہ، لاون وغیرہ بھی اہم ہیں جن کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے ان چیزوں پر بہت سی باتیں کہی اور لکھی جا سکتی ہیں تاہم طوالت کی وجہ سے اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

باب چہارم

نیپالی لوک گیت

اور

اردو

کچھ لوک گیتوں کے بارے میں :

لوک گیت لوک ادب میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ رونا، ہنسنا اور گانا انسان کی فطری خصلت ہے انسان خواہ وہ تہذیب یافتہ ہو یا غیر تہذیب یافتہ، شہری ہو یا دیہاتی، عالم ہو یا جاہل، بوڑھا ہو یا جوان، عورت ہو یا مرد، سخت دل ہو یا نرم دل جب اسے کوئی غم لاحق ہوتا ہے تو وہ دکھی ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات رو بھی جاتا ہے اور اگر کوئی خوشی نصیب ہوتی ہے تو ہنس دیتا ہے اور مسرور ہو کر کبھی کبھی گانے بھی لگتا ہے۔ دیہاتی انسانوں کے سینوں میں بھی ایک حساس دل دھڑکتا ہے وہ اپنے غم یا خوشی کا اظہار گیتوں کے ذریعے کرتے ہیں۔ دیہاتیوں کے ذریعے شعوری یا غیر شعوری طور پر گائے ہوئے گیت ہی دراصل لوک گیت ہیں۔ یہ لوک گیت لوک زبان یا لوک بولیوں میں ہوتے ہیں عموماً ماضی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس کی روایت صدیوں پرانی ہوتی ہے۔ لوک گیتوں کی تخلیق کرنے والے عموماً ان پڑھ ہوتے ہیں اور تخلیق کاروں کے نام مخفی رہتے ہیں اس کے متعلق پروفیسر محمد حسن عوامی ادب سے بحث کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں :

"...... وہ کہانیاں جو نانی دادی سناتی ہیں وہ گیت جو جانے انجانے میں آپ کے ہونٹ گنگنانے لگتے ہیں وہ بول جنہیں آپ کچھ سمجھتے اور کچھ نہیں سمجھتے مگر کھیل کود میں دہراتے ہیں یہ سب معاشرے کی دین

ہیں اور ان کا خالق کوئی ایک فرد نہیں ہے اگر ہے تو گمنام ہے" [1]

کلیم الدین احمد لوک گیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عوامی گیت، روایتی گیت اور آہنگ جو عام لوگوں میں مروج ہوتے ہیں اور جن کے مصنفین کا نام عموماً نہیں ملتا ہے" [2]

کلیم الدین احمد کی اس تعریف کی تفصیل شکیلہ اختر اس طرح پیش کرتی ہیں:

"اس تعریف میں تین الفاظ کلیدی ہیں عوامی، روایتی اور نامعلوم مصنفین۔ عوامی سے مراد یہاں پڑھے لکھے نہیں بلکہ جمہور یہ یا جنتا ہے جن سے علم کی واقفیت کی شرط نہیں۔ دوسرا لفظ روایتی یعنی ان گیتوں کے پیچھے ایک زمانہ ہوتا ہے ایک طویل مدت اور ان کی روایت ہوتی ہے تیسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان گیتوں کے بنانے والوں کے نام و نشان کا کوئی اور چھور نہیں ملتا" [3]

لوک گیت خصوصیت سے دور عام لوگوں کے درمیان عوام کے لئے عام بول چال کی زبان میں تخلیق کئے جاتے ہیں کیونکہ کسی ملک کا لوک گیت اس ملک کی عوامی زندگی کا آئینہ دار ہوتا

---

[1] اردو میں لوک ادب ۔ مرتبہ پروفیسر قمر رئیس

[2] فرہنگ ادبی اصطلاحات ۔ ص ۸۹

[3] اردو میں لوک ادب ۔ مرتبہ پروفیسر قمر رئیس

ہے اس طرح لوک گیت کا تخلیق کار اکثر نامعلوم ہوتا ہے۔ کس دور میں کس گیت کی تخلیق کس لوک شاعر نے کی ہے اس کا پتہ لگانا ناممکن سا کام ہے لوک گیتوں کا تخلیق کار کوئی نہ کوئی ضرور رہا ہوگا جس نے عام لوگوں کی امیدوں اور تمناؤں سے واقف ہوکر اپنے دلوں کے احساس کا اظہار کیا ہوگا یا اپنے دوستوں کے ہمراہ لوک گیتوں کی تخلیق کی ہوگی شاید اسی لئے لوک گیت کسی خاص شخص کی تخلیق نہ ہوکر پورے عوامی سماج کا ورثہ ہوتا ہے اس کی کوئی تحریری سند نہیں ہوتی بلکہ یہ یادداشتوں کی بنا پر پشت در پشت محفوظ رہتے ہیں۔

لوک گیتوں کا مزاج اور رجحان صحیح تک محفوظ ہے جب تک کہ اس کی شرقی زبانی (ORAL) روایت کے ذریعے ہوتی ہے اس کو قلم بند یا تحریر کرتے ہی اس کی شرقی رنگ جاتی ہے لوک ادب کا مشہور عالم سجوک کا کہنا ہے کہ

"اگر کسی گیت یا گاتھا کو آپ نے قلم بند کر دیا تو یقین مانیے کہ آپ نے اس کے قتل کرنے میں مدد پہونچائی ہے جب تک لوک کہانی و گیت ORAL صورت میں ہے تبھی تک اس میں زندگی اور توانائی باقی ہے۔" [1]

اولڈ انگلش بیلڈ کے عالم پروفیسر گومر کا بھی خیال ہے کہ ORAL روایت لوک گیت کی سچی کسوٹی ہے "فوک سونگس آف میکل ہلس" کے مصنف ڈاکٹر ہیر ابلون

---

[1] "دی بیلڈ" سجوک ص ۹۷

کا یہ ماننا ہے کہ لوک گیتوں کو قلم بند یا تحریر کر دینے پر اس کی ترقی رک جاتی ہے چنانچہ لوک ادب کے دلدادہ اسے جمع کر کے بڑی مہربانی کرتے ہیں۔

لوک گیت پورے سماج، گروہ یا فرقے کی چیز ہونے کی وجہ سے ہر شخص اسے اپنی وراثت سمجھنے لگتا ہے لوک گیت کا ہر گانے والا اسے اپنی دھن اور لہجے والے (TUNES) میں گانے کے لئے آزاد ہے اور وقتاً فوقتاً اپنی سوچ سمجھ کے مطابق اس میں نئے اشعار بھی جوڑ دیتا ہے ایک ہی لوک گیت مختلف علاقوں میں رائج ہونے کی وجہ سے مقامی لوگ گلوکار اسے اپنے اپنے انداز میں گاتے ہیں اور ان پر مقامی شہادت، بولی اور اسلوب و لہجے کے اثرات مرتب ہوتے ہیں لوک گیتوں میں زبان کی چستی اور صفائی، قواعد اور عروض کے اصول پر توجہ نہیں ہوتی ہے کیونکہ عوام جب کسی چیز کو شدت سے محسوس کرتے ہیں تو وہ اس کا براہ راست اظہار کرنا چاہتا ہے یہ اظہار کس طرح ہو اس کے سامنے کوئی خاص پیرایہ نہیں ہوتا بلکہ جوں کا توں اظہار کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ لوک گیتوں میں بھدے اور بےسرے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جو غیر ادبی اور غیر معیاری ہوتے ہیں لیکن اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ لوک گیت کی ابتدا اس وقت ہوئی ہوگی جب کوئی ادبی زبان وجود میں نہیں آتی تھی۔ ظاہر ہے کہ قصص نامے مقامی بولیوں کا سہارا لینا پڑا ہوگا کسی زبان کا لوک گیت اس زبان کی تاریخ کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے کیونکہ جب زبان کا آمیزہ تیار ہوتا ہے اور زبان اس لائق ہو جاتی ہے کہ ہر طرح کے جذبات و احساسات کی ترجمانی دیگر لوک ادب کی اصناف کے علاوہ لوک گیتوں کے ذریعے ممکن

ہوتی ہے لوک گیتوں کا تعلق خاص سے کم اور عوام سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے یہ عوامی سطح پر پھیلتے پھولتے اور پروان چڑھتے رہتے ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ لوک گیت کو "سونگ آف دی سوئیل" (SONG OF THE SOIL) کہا جاتا ہے۔

لوک گیتوں کی تشبیہ ایک پرانی ندی سے دی جا سکتی ہے جس طرح کوئی ندی ایک معمولی چشمے سے پتلی دھارا کی شکل میں نکلتی ہے جو بعد میں دوسری معاون ندیوں سے مل کر ایک بڑی ندی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اسی طرح لوک گیت کے اصل حروف میں لوک گلوہر یا گلورہ کے ذریعے اتنی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں کہ اس کی اصل بناوٹ کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ تحریری شاعری کے مقابلے میں اس میں ترمیم و اضافے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ عام زندگی کے ہر شعبے میں ہر حالت اور ہر موقعے کی عکاسی ہونے کی وجہ سے یہ پرانے ہونے کے باوجود نت نئے معلوم ہوتے ہیں شاید اسی لئے انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لوک گیت کو پرانے پر نئے پیوند کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

"A folk song is always grafting the new on the old."[1]

حقیقت میں لوک گیت اتنا ہی قدیم ہے کہ جتنی انسانی زندگی۔ یہ اس جنگلی درخت کے مانند ہے جس کی جڑیں ماضی کی گہرائیوں میں دفن ہوتی ہیں لیکن پھر بھی نئی شاخیں۔ نئی پتیاں اور نئے پھل مسلسل

---

1. Encyclopedia Britanica, vol. 9, page 448

دیتا رہتا ہے۔"[1]

مختصر یہ کہ لوک گیت کسی قوم کا تہذیبی سرمایہ ہوتا ہے یہ بغیر کسی تفریق اور بھید بھاؤ کے ہر گاؤں قصبہ، شہر اور ہر گلی کوچوں میں گائے جاتے ہیں گرچہ اس کی زبان میں مختلف سببوں سے تبدیلیاں پائی جاتی ہیں لیکن پھر بھی اس میں عموماً ایک ہی طرح کے جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے لوک گیت کی اہمیت و افادیت کو تقریباً ہر ملک نے تسلیم کیا ہے اور اس کے گرانقدر سرمایہ کو یکجا کرکے محفوظ کر دینے کی سفارش کی ہے۔ یہ ہمارا فرض ہوتا ہے کہ اس تہذیبی سرمایہ کو یکجا کرکے اس کو محفوظ کر دیں تاکہ وہ نیست و نابود ہونے سے بچ جائے۔

نیپالی لوک گیتوں کی روایت:

زمانہ قدیم سے ہی نیپال میں لوک گیتوں کا ایک مضبوط و مستحکم اور جاندار و شاندار روایت ملتی ہے یہ وہاں کے عوام میں آج بھی بے حد مقبول ہے اور ان کی روز مرہ زندگی کا ایک اہم حصہ بن چکے ہیں۔ نیپال گرچہ بہت چھوٹا ملک ہے۔ لیکن اس کی گود میں ہمالیہ کی قدرتی خوبصورتی اور ترائی علاقے کی ہریالی دنیا کی نظر کو دلآویز کر لیتی ہے۔ یہاں کے سرسبز شاداب اونچے اونچے پہاڑ، گاتے گنگناتے پیڑوں کی گھنی چھاؤں، موسم بہار کی

1, Encyclopedia Britanica, vol. 9, P. 448

گل رنگیاں، سرما کی برف باری، موسم باراں میں بادلوں کی اٹھکھیلیاں، صاف ستھری خوش گوار فضا اور چاروں طرف کے مسحور کن نظارے ہنگامہ حیات سے تھکے ماندے شوریدہ حال انسان کے لئے کیف ونشاط اور قلبی سکون کا عظیم الشان وسیلہ ہیں۔ یہاں کہیں مندروں سے شنکھ کی آواز آتی ہے تو کہیں مسجدوں سے آذان کی آواز ماحول میں پاکیزگی بکھیرتی ہے اور اس کی قدیم روایات، تہذیب وتمدن سے سرشار آفاقیت کی جانب دنیا کے علم دانوں کا ذہن راغب ہو جاتا ہے اس لئے نیپال کے برفیلے سلسلۂ پہاڑ کو سنسکرت کے شاعر اعظم کالیداس نے کرہ ارض کا مقیاس بیان کیا ہے۔

چونکہ نیپال گاؤں اور پہاڑوں کا ملک ہے۔ قدرت نے اس ملک کو بہت ہی خوبصورتی سے رچا ہے۔ نیپال کے لوگوں کے درمیان بہت زیادہ پیار ومحبت پایا جاتا ہے اس کی ایک خاص بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی طرح نیپال میں امیری وغریبی کی اتنی بڑی خلیج نہیں ہے وہاں زیادہ تر لوگوں کی مالی حالت ایک جیسی ہے یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے درمیان دوست دوست اور بھائی بھائی کا رشتہ ہوتا ہے ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد ان گیتوں کو پڑھا یا سنا جائے تو ہم اس کے تہہ دل سے قائل ہو جائینگے کہ ان کا بول ایک سچی آواز اور گیت ان زندگی کا حقیقی عکاس ہے جب یہ بھولے بھالے اور سادہ لوح انسان دن بھر کھیت میں کام کر کے تھکے ہارے گھر لوٹتے ہیں تو وہ کوئی تفریح کا ذریعہ تلاش کرتے ہیں تاکہ خود کا لطف اندوز کر کے اپنی تھکان دور کریں اور اگلے دن پھر سے تروتازہ ہو کر کام کر سکیں

ہیں لہٰذا ان کی تفریح کا بہترین ذریعہ لوک گیت ہی ثابت ہوتے ہیں۔ نیپال میں زیادہ لوگ ہندو مذہب کے ماننے والے ہیں لہٰذا ان کے گیتوں میں دیوی، دیوتا، پرب تیوہار وغیرہ کا بھی ذکر ہوتا ہے لیکن سب سے زیادہ مقبول محبت کے گیت ہیں جن کو الہڑ اور جوان لڑکیاں گا گا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتی ہیں چند مثالیں دیکھئے:

آ کاش ہیروں تو لا کے تارا میرو مایا اک تارا دیکھن
کے چیٹھی لیکھوں من کو لھا کا میرو مایا کا نمت میں لیکھن
دھان کو بالا مری ہے نری کو دا کو کیسری
نیپالو جوان سبھے لائی آنچھو ویلن چھو پھول سری

میں چھوری سندری لے گسری بھروں پانی
بسی بسی بھروں بھٹے گھیلا بھنڈا سانی
الٹی الٹی بھروں بھٹے گمر دو کھٹے بانی
بانہو ما نا بیٹھے کو بھنگرے چاندے روئی
میں چھوری سندری میرے دانا ہوئی
بھنگرے چاندے روئی میرے دانا ہوئی

آدھا باری رائی مولی آدھا باڑی توری

آما با بورن بھن چھن لے جاؤ بھینا چوری

آدھا باڑی توری لے جاؤ بھینا چوری

آؤں وادن گرے تھے آشا

تقدیر کو رہے نہ بھروسہ

دیو گیا بھاوی نے نے سیکھی دیو سیتے

دل پن رات بھبو آنسو کھسدا کھسدے

گھرت میرو چھترالیہ بارے کو

کنی رولو کرم نے مارے کو

گاؤں بھنے گیت میرو لو ڈانڈا لے چھپک چھ

نہ گاؤں تو خبر میرو کسو گری پوگ چھ

ٹارہ گیو ہمالس کا ٹیر

دولی ٹامو لو سین ماسا ٹیر

آدھی ڈھو کا پانی موف آدھی مائق تیر

کوئی بھنے نہ جیون ما ہائے بھنے وچھ

کستوری ہے جو آ بھاگی کھپر
جہاں گئے بن لاگدے چھو ٹھکر

کانڈے کاڑھا کاغتی پھول کو بوٹ
ٹمرو مایا نہ پائے سلجھو اوکھو
دمک بازار گئے آؤں چھیو کر
بھنتر تاک چھو نظر
پانی سو کیو کھہرے کھولد ما
پربتی گاں سو دوئی دنے چولد ما
پانی کھانو تیو ر تو پا کھولد کو
چھوکر مایا بھنتر بولد کو

نیپالی لوک گیت کی روایت تقریباً وہی ہے جو ہندوستانی لوک گیت کی ہے دونوں ملکوں میں مذہب، سیاست، تہذیب و تمدن، کھیتی باڑی، جغرافیائی حالات اور شادی بیاہ و دیگر تقریبات کے طور طریقے ایک ہی جیسے ہیں دونوں ملکوں کے عوام کے جذبات تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ ایک ہی ہیں۔ یہاں میں چند

بینیاں لوک گیتوں کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہوں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ کس قسم کے جذبات ان میں پائے جاتے ہیں وہ اپنے دل کی باتوں کو الفاظ میں کس طرح پیش کرتے ہیں۔

ایک دولہا جب شادی کرکے اپنی دلہن کو اپنے گھر لاتا ہے اور سہاگ رات میں دلہن کا گھونگھٹ اٹھاتا ہے تو اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر کچھ اس طرح گویا ہوتا ہے ملاحظہ ہو :

بینیاں چاند تاروں میں کتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہے
گویا یہ تمام دنیا کے اوپر ایک آسمان ہو
لیکن کہیں زیادہ خوبصورت ہے میری پیاری دلہن کا چہرہ
گویا وہ ایک چمکتا ہوا چاند ہے میرے لئے میرے دل کی دنیا کا

ایک عاشق اپنے معشوق کی تعریف اسکے سامنے اس کی کس طرح کرتا ہے :

لدا ہوا ہے پھلوں اور پھولوں سے تیری جوانی کا پودا
اور تیری پیاری آنکھیں گویا رکھے ہوں قریب قریب دو کریلے
یا پھر وہ ملتی جلتی ہیں دو پاس پاس بیٹھے ہوئے جگنوؤں سے
جن کی روشنی دکھائی دیتی ہے اور غائب ہوتی ہے پلک جھپکنے کے ساتھ

ایک غمزدہ بینیاں کی صدائیں سن لیجئے :

تو دیکھ ستارے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں

ناممکن ہے ناممکن ہے میرے لئے ان کو شمار کرنا

میرے ہونٹوں تک دکھے ہوئے دل کے الفاظ آکر رک جاتے ہیں

ناممکن ہے ناممکن ہے میرے لئے ان کو بیان کرنا

کتنی خوبصورت ہے برف سے ڈھکی ہوئی ہمالیہ کی چوٹی

جیسے کوئی سانپ کینچلی اتار کر پھینک گیا ہو

اے راہ چلنے والے مت سنا اپنی بانسری کے درد بھرے راگ

میرے جگر میں اف! میرے جگر میں ٹیس اٹھنے لگی ہے۔

پوری دنیا خصوصاً مشرقی ممالک میں عورتوں کی حالت (STATUS) سے سبھی واقف ہیں شادی کے بعد خصوصاً ہندوستان اور نیپال میں عورتیں اپنی شوہر کی باندی اور نوکرانی بن کر رہ جاتی ہیں خاوند اور خاوند کے گھر کے دوسرے افراد کے لئے مرمٹنا ہی اس کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے اور خاص طور سے دیہاتوں میں ان کی اور بھی زیادہ بری حالت ہوتی ہے اسی معاشرے کی ایک عورت کا درد و کرب سے بھرا ایک گیت سنئے:

اس اجنبی سرزمین پر موت مجھے اپنی گود میں اٹھائے گی

اور ہائے افسوس میرے لئے کوئی آنسو بہانے والا بھی نہ ہوگا

کچھ نہیں سوائے ہاری ہوئی قسمت کے ایک عورت کی زندگی ہے

افسوس کہ اس کی شادی اس کے لئے پوری غلامی ہے

میرے خیال میں ساس بہو کے تعلقات ہندوستان اور نیپال میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں بہت نازک اور بدنام رہے ہیں یہ ایک فطری بات ہے کہ ایک ساس ہمیشہ کسی نہ کسی بہانے اپنی بہوؤں کو ستاتی ہیں گالیاں دیتی ہیں مار پیٹ کرتی ہیں اور حتی کہ اسے کھانے پینے میں تنگ بھی رکھتی ہیں اور دیہاتوں میں تو یہ مذموم حرکت تقریباً ہر گھر میں پائی جاتی ہے ایک ستائی ہوئی بہو کسی مرد یا عورت کو اپنا دکھڑا نہیں سناتی کیونکہ راز کھل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے لہذا وہ چڑیا کو ہی ہمراز بناتی ہے اور اس چڑیا کی معرفت اپنے میکے خبر بھیجتی ہے اس تاکید کے ساتھ کہ اس کے بھائی بہن کو اس کی تکلیف کا اندازہ نہ ہو سکے ۔ ایک ستائی ہوئی بہو کی کہانی اس کی زبانی سنیئے !

کتنا سنہرا ہے تیرا گیت اے سنہری چڑیا
تیرا اڑنا کس قدر پیارا ہے اے پیاری چڑیا
اڑ جا ہاں اڑ جا میرے بابل کے گاؤں تک
اور میرے دل کی باتیں جا کر سنا اے سنہری چڑیا
اگر میری ماں سوال کرے تو اس سے کہہ دینا
اپنی ساس کی ظلم و ستم سے تنگ آکر تیری بیٹی مر رہی ہے
میرے بھائی سے کہہ دینا تیری بہن مزے میں ہے
اگر وہ تجھ سے پوچھے اے سنہری چڑیا
اگر میرا باپ سوال کرے تو ان سے کہہ دینا

اپنے ساس کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر تیری بیٹی مر رہی ہے

میری بہن سے کہنا تیری بہن مزے میں ہے

اگر وہ تجھ سے پوچھے اے سنہری چڑیا

کتنا سعید ہے تیرا گیت اے سنہری چڑیا

تیرا اڑنا کس قدر پیارا ہے اے سنہری چڑیا

یہاں نیپال کے کچھ لوک گیتوں کا ترجمہ اس لئے پیش کیا گیا ہے تاکہ وہ لوگ ان دیہی نیپالی سادہ لوح عوام کے جذبات و احساسات کو جان پہچان سکیں جو نیپالی زبان سے واقفیت نہیں رکھتے لوک گیت نیپالی عوام کے جذبات و احساسات کا بہترین ذریعہ ہیں ان کے ان گیتوں میں امڈتے ہوئے جذبات کے طوفان سنائی دیتے ہیں یہ نیپالی عوام کے طرز معاشرت روزگار و معاش محنت و جفاکشی، شوخی و سرمستی سرشاری و نیرنگی امید و افسردگی، ہجر و فراق آہ و نالہ اور اس طرح کے بے شمار اور گوناگوں کیفیات و خواصیات کے اظہار کا بہتر وسیلہ ہیں

نیپالی لوک گیتوں کی درجہ بندی:

نیپالی لوک ادب کے ماہروں نے نیپالی لوک گیتوں کی درجہ بندی اپنے اپنے طور پر مختلف بنیادوں پر کی ہے اس سلسلے میں نیپالی لوک کلچر اور نیپالی لوک ادب کے ماہر کالی بکرم سنگھ کا نام اہم ہے انہوں نے اپنی کتاب " ہمارو سانسکرتک اتہاس" میں صفحہ ۱۰ پر نیپالی لوک گیتوں کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) راشٹر بھاشا استریہ گیت :

(قومی زبان کی سطح کے لوک گیت)

یہ گیت نیپالی زبان میں تقریباً ملک کے ہر حصے میں رائج ہیں ۔

(۲) ضلع استریہ گیت :

(ایک ضلع کے محدود لوک گیت)

وہ گیت جو خاص طور پر صرف ضلع بھر میں ہی رائج ہوتے ہیں مثلاً جھلی گیت ، سینتر یا گیت نیپال گنجے گیت وغیرہ

(۳) گرام استریہ گیت :

(دیہات کی سطح تک محدود گیت)

جو گیت صرف کسی کسی گاؤں میں رائج ہوں جیسے بھالد پورے گیت ، مکلو نگے گیت اور موگال گیت وغیرہ اس میں شامل ہیں

(۴) ذاتی استریہ گیت :

(ذاتی سطح کے گیت)

جو گیت کسی خاص مقام پر کسی خاص قوم یا فرقے میں ہی صرف گائے جاتے ہیں مثال کے طور پر راہیوں گیت کومال گیت وغیرہ

(۵) **ذاتی بھاشا استریہ گیت :** جو گیت گرنگ، منگر، تھارو، نیوار وغیرہ قوم کی زبان میں ہیں جیسے نیوار کی تمانگ گیت، سیبریا گیت وغیرہ

(انفرادی سطح کے لوک گیت)

(۶) **پرب استریہ گیت :** جو گیت مختلف تہواروں کے موقعوں پر گائے جاتے ہیں جیسے مالسری، وھیلے اور تیج وغیرہ تہواروں کے گیت اور ان کے علاوہ شادی بیاہ کے موقعوں پر گائے جانے والے مہال گیت، رتیلے گیت وغیرہ۔

(رسم و رواج سے متعلق لوک گیت)

(۷) **لوک ناٹیہ استریہ گیت :** وہ گیت جو ناچنے کے وقت گائے جاتے ہیں جیسے کہ بالن، کورا، گھاٹو اور سعد کئی وغیرہ

(ناچ گانے کی سطح تک محدود لوک گیت)

(۸) **کرم استریہ لوک گیت :** یہ گیت کاشتکاری، جنگ اور پہاڑی کے کارناموں سے متعلق ہوتے ہیں

(پیشوں سے متعلق لوک گیت)

ریتو استریہ گیت : یہ گیت مختلف موسموں جیسے بسنت، جاڑا، گرمی برسات وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں جیسے ساونے، باچنے، اساڑے گیت

(موسموں سے متعلق لوک گیت)

دھرم راج تھاپا اور ہنس پورے سویدی نے اپنی کتاب "نیپالی ساہتیہ کو پوریچنا"
میں نیپالی لوک گیتوں کی جو درجہ بندی کی ہے وہ قابل غور ہے انہوں نے پورے نیپالی لوک گیتوں کو
مندرجہ ذیل سات حصوں میں تقسیم کی ہے۔

سامانیہ گیت :

سامانیہ گیت میں حسب معمول بارہ ماسہ، جھیاؤرے اور گھاٹسے گیت وغیرہ آتے ہیں بارہ ماسہ کی روایت ہندوستان کی طرح نیپال میں بھی ملتی ہے۔ خصوصاً نیپال کے ترائی علاقوں میں نیپالی زبان کے علاوہ میتھلی، بھوجپوری، اور اودھی وغیرہ زبانوں میں بھی گائے جاتے ہیں جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ عہد مغلیہ کے زمانے میں اودھ کا علاقہ بہت زیادہ وسیع تھا اودھ پورے علاقے کے شمال میں نیپال، جنوب میں بگھیلی اور بندیلی، مشرق میں بھوجپوری اور مغرب میں قنوجی بولی جاتی ہے آپ کو جان کر بہت تعجب ہوگا کہ اودھی علاقے سے وابستہ نیپال کے سرحدی علاقوں میں بھی اودھی بولی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں بھی اودھی میں بارہ ماسے گائے جاتے ہیں ایسا بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ اردو کے کچھ الفاظ اودھی کی وساطت سے نیپال میں پہونچے ہوں اور وہاں کے دیگر گیتوں کے علاوہ نیپالی بارہ ماسوں میں بھی اردو عناصر داخل ہوئے ہیں اس کے متعلق نیپالی ادیب دھرم راج تھاپا و ہنس پورے سویدی لکھتے ہیں :

"..... ترائی علاقوں میں میتھلی، بھوجپوری، اور اودھی وغیرہ زبانوں میں گائے جانے والے گیتوں کی ایک قسم ہے ـــ بارہ ماسہ یہ مقامی عام لوگوں

کے ذریعے گائے جانے والے بارہ مہینوں میں بارہ قسموں کے الگ الگ

گیت ہیں "۔ ؎

چھپاوے گیت رباعی کی ہیئت (FORM) میں ہوتے ہیں محبت سے متعلق ہر قسم کے

خیالات و احساسات کے اظہار کے لئے یہ مخصوص صنف سخن ہے اس میں طوالت نہیں ہوتی۔

گھانسے گیت وہ گیت ہیں جو گھانس کاٹتے وقت عورتیں یا لڑکیاں گاتی ہیں اس

کے گانے کا انداز بہت نرالا ہوتا ہے اس کے علاوہ ساماجیہ گیت میں سنگی گیت یعنی ساتھی و دوستی

کے گیت، ھنسنے کھیلنے وغیرہ کے گیت آتے ہیں۔

بیپال بارہ ماسہ گیت کی ایک مثال :

مائی مائی آکا شماں لاگیو بادل

ہریو پاتی دھر کے فرو نہ روؤ میالو

جانے بیلا ہاتھ سی ای آنسو سنبھار

آؤں چھوں مت پھر کرے نہ روؤ میالو

دھنے کمائی ہیرا او نلا چاندے م آؤں لا

بسبک ہو لاحن کو گھاؤ نہ روؤ میالو

؎ لوک ساہتیہ کو پوچھنا ۔ دھرم راج تھاپا و ہنس پورے سویدی ص ۹۵

سمجھو نہ آئیو بھنے کمی لالی میرو

تصویر ھیری من بجھاؤنہ روؤ میالو

کمائی دھن تر چھوڑن جا چھو بس دن

م. بیچ دن گھر باری نہ روؤ میالو

پھرکی آؤں داں گن یو چولو لیا آؤں چھوں تمی لالی

من کے ڈھنگری ٹل ری نہ روؤ میالو

آنکھ بات آنسو دھارا نہ بگاؤ

بچے ادا کو بھیجیو چھے او نہ روؤ میالو

جانے بیلد ہاتھ سمائی ملدی نہ روک

ھانسی ھانسی بدا دے او نہ روؤ میالو

چھیاورے گیت کا ایک بند ملاحظہ ہو:

بابا بھند چھن — کام کے کری!

آما بھند چھن — بھوک دے مری

داجو بھند چھن — کام گر دچھے

بھاؤ بھند چھن — کے دے مر دچھے

گھانسے گیت کے بھی چند اشعار ملاحظہ ہوں :

بھالو میلے لوہا ہر دیاں لوہارے آنسں دیو
آنسں میلے میلہ دیاں میلہ نے گھانس دیو
گھانس میلے کیلو دیاں کیلوے دودھو دی
دودھو میلے لنگ ڈھولیاں، لنگ آسن دیو

سنسکار گیت : سنسکار کے معنی اردو میں رسم و تقریب کے ہیں ولادت سے لیکر موت تک انسان زندگی میں کئی رسم و تقریبات کا انعقاد ہوتا ہی رہتا ہے یوں تو نیپالی سنسکار گیت کے بہت سے موضوعات ہیں لیکن ان میں بچے کی پیدائش، منڈھن، ماشا دال بیاہ، رخصتی اور موت وغیرہ کے گیت اہم ہیں ان موقعوں پر نیپالی عورتیں جھوم جھوم کر اپنے سریلی آوازوں میں گیت گاکر اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کرتی ہیں وہیں دوسری طرف موت کے گیت گا گا کر اپنے غم کا اظہار کرتی ہیں ۔

بچے کی پیدائش پر گائے جانے والے گیت کو نیپالی میں سوہر کہتے ہیں اس موقعے پر گھر کے تمام افراد خوش نظر آتے ہیں نندیں اپنی زچہ بھابی سے اس موقعے پر زیور، وکپڑے وغیرہ کی فرمائش کرتی ہیں ۔

بوڑھی ہوؤ لاڈو لوگا مرکی

نہاؤ آکر شٹ رہو پوتر

کبھی راجیاں مٹے برس پانچ

جناؤ سمپتی جماؤ پوتر

آیسمتی لاڈو کمی لوگا یو

جب بچہ کچھ بڑا ہوتا ہے اور کھیلنا کودنا شروع کرتا ہے تو اس وقت سے اس کی ماں کے تصور میں اس کے لئے ایک خوبصورت دلہن کی تمنا ہوتی ہے اس ماں کی زبان سے نکلا ایک گیت سنیئے:

کد مے کا گا چھی منی مرونا راں کھیل دچھی

جاؤ باے جاؤ باے بیہے گری لیاؤں

مرونا لاڈی بیہے گر داکے چاہیو آمے

کسو کسو گرے مرا بیہے گری لیاؤں

جلد جلد کیتی کن لیاؤں میرا باے

جاؤ باے جاؤ باے بیہے گری لے یاؤں

شادی کے موقعوں پر بیٹیاں میں گائے جانے والے کچھ لوک گیت ملاحظہ فرمائیں:

ہے چری چوپے، برالو تیرو وہ رن

ہا مرا ہیر بھوجی لدائی دیکھی بھتس کرنائیں

ہے بادل اوتی سیتو تمرو وہ رن

ہا مرا ہیر بھوجی لدائی دیکھی بھتیو کرنائیں

دیکھن پتی دیکھے بھیوں، آن دا بنی آئی ہے چھن

بنیا بازار ما کپڑو کنا نکھے

دیکھن پتی دیکھے بھیو، آن داپنی آئی ہے چھن

بنیا بازار ما سندور کنا نکھے

بنیا بازار ملاگھنا پٹا نکھے

شالی دھان کی اچھیتی مال گائے کی دہی

ہیرچھی دے اوں میرہی آمے! پھولکی ست ڈولیا

بیلو کی کی پھول آمے، سیبے و یلی گئے چھن

بھان کی پھول آمے دھمک بھی چھن

لیا یوں آمے، لیا اوں آمے، پھوکے پنی لیا یوں

مہادیو نے سرو چائے کو آنگورے کو پھول
پر بھی دنے اون آما میری پھول کی تے ڈولیا
بر جھئیں تپے بہوہ دو بو جھیں مولیے

کہاں راکھوں؟ کہاں راکھوں؟ گاگری رکنڈے
کہاں راکھوں؟ میری آمے اچن کو مال
بھنڈار مارا کھ بامے گاگری رکنڈے
بھانسا مارا کھ بامے اچن کو مال

برت سمبندھی گیت :

نیپال ایک مذہبی ملک ہے اس لئے یہاں آئے دن کوئی نہ کوئی پرب تہوار آتا رہتا ہے جو نیپال کے عوام میں مذہبی شعور کو جلا بخشتا رہتا ہے ان موقعوں پر عموماً عورتیں اُپواس کرتی ہیں اور برت سے متعلق گیت گاتی ہیں۔ ہندوستان کے ہندوؤں میں برت اور اپواس کی جو روایت ملتی ہے تقریباً وہی روایت نیپال میں بھی پائی جاتی ہے۔ نیپال میں زیادہ لوگ ہندو مذہب کے ماننے والے ہیں ناگ پنچمی کے گیت، بہوار گیت، گودھن گیت اور چھٹ ماتا کے گیت وغیرہ جس میں بھجن بھی ہوتے ہیں ان کو عورتیں بڑی دھوم دھام سے گاتی ہیں۔ برت

گیت کی ایک مثال ذیل میں درج کی جاتی ہے :

بھوکا کیشن، جملہ ہات ٹھولو ہامرو برت

آج کا تہ دن بھر ٹھولو ہامرو برت

دے اوں بھیے ہزاروں بھیے برت کو دیوتے!

برت کا دیو بنا برت کھنڈت بھیو ہے

ے جاؤ دیدی ، ے جاؤں دیدی برت کو دیو ہے

برت کو دیو پائی برت پورا گرے ہے

ایک بھجن بھی سن لیجئے !

چڑھاؤ بھگوان لڈو

دھوپ ۔ دیپ ۔ نویر

سندھیا آرتی ما

کیوڑی جھل جھل !

دھرم کرنا لڈو

پھول پیٹے ر مندر لڈو

رام کو پشالی مال

کمس پھول لیکھے لو

ریتو گت کرم گیت : اس میں مختلف موسموں سے متعلق گیت ہوتے ہیں جاڑہ، برسات، گرمی، بسنت

بہار و برسات وغیرہ کے موسموں میں ایک عاشق یا معشوق یا پھر اور لوگوں کے دلوں پر کیا گذرتی ہے اور ان موسموں میں کون کون سے کام ہوتے ہیں دراصل انہی باتوں کا اظہار ان گیتوں میں ہوتا ہے ان میں اساڑھ گیت، ساونے گیت، جیٹھ اور چیتے گیت وغیرہ اہم ہیں۔ یہ گیت نیپال کے تقریباً ہر حصے میں پائے جاتے ہیں۔

چیت اور اساڑھ کے مہینوں میں بہت تیز دھوپ ہوتی ہے اور گرم ہوا کے جھونکے چلتے ہیں جس سے لوگ پریشان حال رہتے ہیں کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ اساڑے گیت مختصر ہوتے ہیں اور گاتے وقت تان بھی لمبی نہیں ہوتی ایک مثال ملاحظہ ہو!

اساڑھ ماس کو دبدبے ہلو چیت کو ہری

میرو ما یا دای، جاؤں

تمرو ما یا لی ۔ جاؤں

م جا نچھو نیہری ۔

ک ہے ...... م جا نچھو نیہری ۔

جیٹھ کے مہینے میں بہت سا کام کھیتوں میں ہوتا ہے ایک عورت اس کو اپنے شوہر سے بہت ہی محبت ہے اس کا شوہر گھر میں بیمار پڑا ہے گھر سے کھیت بہت دور پر ہے اور وہ کھیت میں کام کر رہی ہے وہ اپنے بیمار شوہر کو دیکھنے کے لئے تڑپ رہی ہے کوئی اس کے شوہر کی خیر خبر بھی اسے کوئی نہیں سناتا وہ بے چین ہو جاتی ہے اور یہ گیت گاتی ہے ۔

او بھوجے باٹ سسورا جھرے کے ہو کو خبر لیائی ہے
برای سوای تے ہمرا بالا، پالنگی کھٹیا ما شکلد ہے
گھر بھٹے برای سوای ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

گام ہر باٹ جیٹھ ا جو جھرے سوای کو سوای کو سنیس کے لیائی ہے ؛
مرا سوای تے ہمرا بھیلے پلنگی کھٹیا ما شکلد ہے
جیٹھے مہاس کا ۔ ۔ ۔ ۔ گھر بھٹے برای سوای

ساون کے مہینے میں آسمان پر کالی گھٹا کے چھانے رم جھم رم جھم بارش کے ہونے اور بجلی کے چمکنے سے جوان دلوں میں ایک خاص قسم کی ایک نئی امنگ اور ایک ٹیس سی اٹھتی ہے بینیاں میں یہ رواج عام ہے کہ حال کی بیاہی لڑکی برسات کے مہینے میں اپنے میکے میں جاتی ہے گویا کہ وہ اپنے محبوب سے بچھڑ جاتی ہے اس کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بھی اس ماہ میں پیار و محبت کچھ زیادہ ہی امنڈ آتی ہے لہذا انہی باتوں کا اظہار ساونی گیت میں

ملتا ہے ساون کے گیت کی ایک مثال ملاحظہ ہو!

ماتھی ماتھی آکاش مال گیو بادل

پینو پانی دھر کرے نہ روؤ میالو

جانے بیلد ہاتھ سمال آنسو بجھا

آؤں چھوں مت پھر کرے نہ روؤ میالو

دھنے کمائی میرا آؤں لد چانڈے کم آؤں لد

بسیک ہولد من کا گھاؤ نہ روؤ میالو

سمجھ نہ آئیو بھینے تھی لدائی میرو

لضو یر ھیری من بجھاؤ نہ روؤ میالو

پرب گیت :

ہر ملک اور ہر مذہب میں آئے دن پرب تیوہار منائے جاتے ہیں پنجاب میں بھی پنجابی عوام پرب تیوہار بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں اور ان موقعوں پر تیوہاروں سے متعلق گیت بھی گائے جاتے ہیں ان میں تیج، مال سری، بھیلو، دے اوسی، بھوا گیت اور ہولی گیت وغیرہ گیتوں میں نمایاں اہمیت رکھتے ہیں ۔

تیج ہر سال بھادوں شکل کے تیسرے دن منایا جاتا ہے شادی شدہ عورتیں

اس روز برت ورکھتی ہیں اور ماں پاروتی اور شری کرشن جی کی پوجا کرتی ہیں اور ان سے اپنے شوہر اولاد اور گھر بار کیلئے دعائیں مانگتی ہیں لیکن ان کا خاص مقصد اولاد کی حصول یابی ہوتا ہے اس کی ایک مثال دیکھیں :

جھم نہ جھم تیجے آیو کھن کھن

کس ای دھورا جے شبھ پھولد

ممن تا ناری کالم چھوں نی سوہا دین شر پھولد

ویدکا اکھر کالدم ہن چھو۔ بنہیرا جے پوستک

تیتکا وجیت جن نہ لدوں ناری دوسری بیاہ گھن کال لد

دوسری بیاہ گھن کائے بین ہاری جیتو چیلی پاوینو

مالسیری گیت درگا پوجا سے متعلق ہیں ماں درگا نے جو برائیوں کے دیوتا پیر فتح پائی حاصل کی تھی اس کا ذکر اس گیت میں ملتا ہے :

دل استھر کری چرن سیوک من اچھا پھل دائی

دشٹ جن سنہار کرو دیوی وجے ابھے وردائی

انی انانقہ چرن سیوک دوکھیت جن پیرتی پالی

دوکھ ہی ساگر ڈوبت دن دن کرو کر پا پربھو ترنی

بھیلو گیت کا ترنت شکل کے دن اجتماعی طور پر گایا جاتا ہے لکشمی پوجا کے دن بھیلو
بھیلو نامی ایک کھیل شام میں کھیلا جاتا ہے جس میں یہ گیت گایا جاتا ہے :

ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ہو
بھیلن آیو آگن
بڑھاری کونڈاری راکھن
ہو ۔ ۔ ۔ ۔ پیو اول سی کودن
گائی ہارو (ہو) بھیلو
ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہو ۔ ۔ ۔ ۔
ملکشمی پوجا پوجن
ہر یوگو پرے لیپن

دے اوسی گیت بھی اجتماعی طور پر گایا جاتا ہے اس میں ایک یا دو لوگ مل کر گاتے ہیں
اور دوسرے باقی لوگ مل کر گانے میں ان کا ساتھ دیتے ہیں ایک مثال پیش ہے :

ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہو
پسے ر گھر کا بوڑھا بوڑھی
بڑے چھسیں تپی ہے شہر بام

پیسے نہ گھرے لوٹ ہے بالا

لڑوں بڑھوں سرن سرن بڑوں

بھوواؤں گیت نیپال کے وسطی مغربی انچل کا مشہور گیت ہے یہ خاص طور پر کرنالی انچل کے کرنالی لوک کلچر میں رائج ہے یہ ایک طرح کا کھیل ہے جس میں لوگ ہاتھ میں چراغ جلا کر ناچتے ہیں ان گیتوں میں سوال وجواب ہوتے ہیں ایک شخص سوال کرتا ہے اور سبھی لوگ اس کے سوالوں کا جواب گا گا کر دیتے ہیں ملاحظہ ہو ایک نمونہ!

سبھی ۔ بھواؤ بھواؤ

ایک ۔ پہلے بھوا کہاں آیو

سبھی ۔ سورگ میں آیو

ایک ۔ دیکھو ما بھواؤ نے کو پایو

سبھی ۔ میٹھو کھان پایو

ایک ۔ بتیس بھی بھواؤ کاں آیو

سبھی ۔ چھاتی میں آیو

نیپال میں ہولی منانے کا طریقہ وہی ہے جو ہندوستان میں رائج ہے نیپال

کا ایک ہولی گیت پیش خدمت ہے:

ہوری کھیلت شیام جوگل جوڑی

ہوری کھیلت شیام

کن کہیں ہاتھ کنک پچکاری

شیو شنکر ہولی کھیلے

ہے .... گوری کھیلے

ہے .... گن پتی کھیلے

نارد منی جن بینڈ بجاوے

شیو شنکر کی دروار ہوری کھیلے

ہے ..... شیو شنکر ہوری کھیلے

نرتیہ گیت: نیپال میں لوک ناٹیہ یا لوک ڈرامے کی تاریخ بہت پرانی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ لوک ڈرامے میں مکالمے کے دوران کردار ناچتے بھی ہیں اور گیت بھی گاتے ہیں بلکہ بعض بعض لوک ڈرامے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے سارے مکالمے گیت میں ہی ہوتے ہیں۔ ناٹک کی ابتدا کی

متعلق "ناٹیہ شاستر" میں دلچسپ کہانی ملتی ہے اس کتاب میں یہ ذکر ملتا ہے کہ اندر اور دوسرے دیوتاؤں نے تمام لوگوں کو تفریح کے لئے دنیا کی تعمیر کرنے والا دیوتا یعنی برہما سے درخواست کی کہ وہ کوئی تفریح کا ذریعہ پیدا کرے وہ ایسی تفریح کا ذریعہ چاہتے تھے جو سامعی اور بصری دونوں ہو اور جس میں سبھی ورنو (ذاتیوں) کے لوگ یکساں طور پر حصہ لے سکیں چونکہ ویدوں کی درس وتدریس کا حق شودروں کو حاصل نہیں تھا لہذا اس طرح سبھی ورنوں کی تفریح کے لئے رگ وید سے ناٹیہ سامیہ وید سے گان یجر وید سے ابھنے (اداکاری) اور اتھرو وید سے رس لیکر ناٹیہ وید کی سرشٹی (تخلیق کی) کی ۔

نیپالیوں کی عوامی زندگی سے ناٹیہ گیت کا گہرا تعلق ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں مختلف تقریبوں، نیک وخیر کام کرنے کے موقعوں پر اس کا بطور خاص اہتمام ہوتا ہے نیپال میں شادی کے موقعوں پر ہر فرقے کے لوگوں میں بارات کی روانگی کے بعد عورتیں ناچتی گاتی ہیں اس کی دو قسمیں ہیں ۔ مزاحیہ اور سنجیدہ ۔ مزاحیہ میں کسی ایسے واقعے کو بیان کیا جاتا ہے جسے دیکھ اور سن کر شائقین کی ہنستے ہنستے حالت غیر ہو جاتی ہے دوسری طرح کی ناٹیہ میں کسی سماجی یا تاریخی حادثات وواقعات کا ذکر ہوتا ہے اس طرح کی ناٹیہ ہندوستان میں بھی بھوجپوری علاقوں میں "بدیسیہ" کے نام سے مشہور ہے اس میں ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جس کا شوہر اس سے دور پردیس میں ہے وہ اپنی دکھ اور درد بھری خبر کسی مسافر کے ذریعے اپنے پردیسی بالم کے پاس بھیجتی ہے اس ڈرامے کو کھیلنے والے اداکار کے ساتھ ساتھ ناچتے بھی جاتے ہیں

اعدگا تے بھی جاتے ہیں اس طرح گیت ناچ اور اداکاری تینوں مل کر ایک عجیب سماں باندھ دیتی ہیں ۔

لوک ڈرامے کی زبان بڑی آسان اور سیدھی سادھی ہوتی ہے جیسے کوئی ان پڑھ آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے جس علاقے میں یہ ڈرامہ کھیلا جاتا ہے اس میں وہاں مقامی بولیوں کا زیادہ استعمال ہوتا ہے ان کی زبان میں کسی طرح کی صناعی یا لفاظی نہیں ہوتی اس میں مکالمے چھوٹے اور سہل ہوتے ہیں شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ گاؤں کے لوگ لمبے مکالمے پسند نہیں کرتے اس میں اکثر مرد کردار ہی حصہ لیتے ہیں عورت کے کردار بھی مرد ہی ادا کرتے ہیں اس میں کردار نگاری فطری ہوتی ہے کسی کردار کی زبان سے ہی اس شخص کے کردار کا اندازہ ہوتا ہے اس میں بناؤ سنگار کے سامان قیمتی پوشاک وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے لئے کسی خاص اسٹیج کا بھی انتظام [ہوتا] نہیں کیا جاتا کھلے آسمان کے نیچے ہی یہ عمل پذیر ہوتا ہے ۔ یہاں ترتیب کے چند گیت پیش کئے جاتے ہیں :

ہانسی ہانسی کوڑا گرنے تلکھر کی لڈی
پات لگی ہے چھورا پائی چھبے مرا ہے جائی
آگ پھونکنے کا گرولو پانی بھرنے سوتھے
کان میں لڈنے بولا کی ت ناک میں لڈنے پوتے

لدل رہے کھیل رے

آ گری کو بیری وا گھر کیو

لدل رے کھیل رے

الٹی جاؤں جھما جیلی

لدل رے کھیل رے

گھاٹرا گھام لدگی گیا

لدل رے کھیل رے

لیکھ ڈانچھیا باسی گیو

لدل رے کھیل رے

آنان
دولہا کی پسواری جباں بٹھائے

گاؤں کو گھول گھر

بسی کو تلے گھر

رنگائی گھومائی چھائے ر

بھینی لدھی دام لو

چونٹھی لدی اجنڈو.

بڑی گاڑ لدی کو ننگی

دولہا لدی نام لو

دلہن لدی کام لو

تے پنی رہ رو آدھی پکھیرو

تے پنی رہ رو آدھی پکھیرو

باری کا ڈلد سے ساتھی

دولہا کی اماں نے پوئی ساٹی

دولہا کی اماں ------

دوسرے گیت : لوک گیت کی حدود بہت وسیع ہیں ابھی تک مختلف موضوعات سے متعلق گیتوں سے بحث کی گئی ہے لیکن ان کے علاوہ کچھ اور بھی گیت ہیں ان میں خاص طور پر بال گیت، سوالی گیت، مکث پد، گونٹھ گیت وغیرہ کو شامل کیا گیا ہے دنیا بھر کے لوک گیتوں میں بچوں کے گیت اور لوریوں کو بہت اہمیت حاصل ہے دنیا کی تقریباً ہر ماں اپنے بچے کو لوریاں سناتی ہے لیکن اب اس کا رواج خصوصاً شہروں میں کم ہوتا جا رہا ہے اور انگریزی گانے اس کی جگہ لے رہے ہیں جو ہمارے لئے ایک غور طلب

بات ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ماں کی گود کو بچہ کا پہلا مکتب قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایک بچے کی تربیت میں ماں کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے اور وہ اس کی تربیت پر منحصر کرتا ہے کہ ایک بچے کا مستقبل کیا کیا ہوگا ماں کی باتوں کا اثر بچوں کے ذہن پر فوری طور پر ہوتا ہے ماں اپنے بچوں کو بہادر اور عظیم لوگوں کی کہانیاں سناتی ہے اس مقصد کے تحت کہ وہ بھی بڑے ہو کر ویسے ہی بہادر اور بڑے انسان بنیں۔ اسطرح لوری ایک طرح کی دنیا بھی ہے جو ماں کی محبت اور ہمارے لوک ورثے میں ایک اہم حوالہ بن جاتی ہے لوری بچے کو سونے کیلئے آخری ہتھکنڈہ بھی ہے بینیال میں بھی بچوں کے گیت و لوریاں روایتی انداز میں موجود ہیں اس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

ناچ ناتی ناچنے

ناچ نانی ناچن

پیسہ دملہ پانچ آنہ

بارہ لے کر کھا بخت

لولو، جھلکے لولو

بامرو جھلکے ناستے آبو

کھے بالو نکھے، کھلے بالو کھے

بن بن رہے بسندھورا بہینی !
اڈو اڈو رے اڈندرا بہیتی
گھیو کھاتے ڈاڈو ڈاڈو کھائے پیٹری
جھلنگا لو کھاج کھوماؤنے پٹری
کھیوں کھیلوں آؤ بیس جاؤں

ماما جو آئے گھوڑی
مائی جو آئیں ڈول
بابا لیائن سول
دودو مام سوپوک
چیری منی دوپوک

سوالی گیت وہ ہیں جن میں مشہور کہانیاں گیتوں میں بیان کی جاتی ہیں اس کی بھی کئی قسمیں ہیں تاہم طوالت کی وجہ سے صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جا رہا ہے :

سن سن پنچ ھو سن سب بھائی
ککا ما جھا جے کو کہن چھو سوائی

نگرے رهنو نے سرکار کو کام

سکلو بھوگ کرن جاؤں بے کھنٹو دھام

پکاپو کو روں بیت بائے لو کھان

ویری کا بات بانٹے میری گیو جان

سنگیت پد میں چٹکلے کے گیت ہوتے ہیں اس کا موضوع کوئی خاص نہیں ہوتا اس سے محض ہنسنے ہنسانے کا کام لیا جاتا ہے ۔

باہر گھری دن چڑھدا گھرما آں

بھانرا باترادر گھراں لدں

پرھیر نیکا سا کو کورا کانٹ تھاں

دھانئے مر بوے ایکیرا یہ حال

نیپال کی کل آبادی کے ۹۵ فیصد لوگ کاشتکاری پر انحصار کرتے ہیں لہذا نیپال کے دیہاتی عوام کھیتی باڑی کام کے لئے مختلف جانوروں مثلاً گائے، بھینس، بیل، گھوڑا وغیرہ پالتے ہیں لوک گیت انہی سب چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں ۔

ٹپ ٹپ ٹوپی کمچھے را ما

کمبھے را نا لدائی باگو نے کھانا

باگو کو ڈہرے موسا مارنے گئی

موسا مارنے جاں داں ـ

موسا میلے چیل لدائی دیئے

چیل نے ملدائی پانکو دیو

پانکو میلے آہرنا مارا کھے

آہرن نے ملدائی سوئی دیو

سوئی میلے دمائی لدائی دیئے

دمائی نے ملدائی ٹوپی دیو

ٹوپی میلے گوٹھا لدائی دیئے

گوٹھا نے ملدائی آنسی دیو

آنسی میلے رکو لدائی دیئے

رکو نے ملدائی گھانس دیو

گھانس میلے گائی لدائی دیئے

گائی نے ملدائی دودھ دین

دودھ میلے گنگا لدائی دیئے

گنگا دے ملا مُی شہر دین

شہر میلے راجہ لدائی دیے

راجہ دے ملدی گھوڑا دیئے

گھوڑا اگیو تیرے تیر

میلے کھائے کھیدے کھیر

ابھی تک کے لوک گیتوں کو پڑھنے اور ان کے متعلق سمجھنے اور بحث و مباحثہ کے بعد قاری کو یہ سمجھنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ پنجابی لوک گیتوں پر اردو کے زبردست لسانی اثرات ہیں کیونکہ لوک گیتوں کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ کسی ملک کے لوک گیت اپنے ہی خطے کی پیداوار اور پروردہ ہوتے ہیں ان میں وہی زبان یا بولی کی کارفرمائی ہوتی ہے جس کا تعلق براہ راست عوام سے ہوتا ہے ان گیتوں پر آس پاس کی بولیوں اور ماحول کا اس قدر اثر ہوتا ہے کہ ان کی بنیادی شکل قائم نہیں رہ پاتی۔ لوک گیت زبان کی بہاؤ میں بہتے چلے جاتے ہیں جہاں ایک طرف گیتوں کی زبان علاقائی اور مقامی ہوتی ہے وہیں دوسری طرف الفاظ کے تلفظ اور لب و لہجے پر بھی مقامی اثرات مرتب ہوتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ پنجابی لوک گیتوں میں اردو کے کئی الفاظ بگڑی ہوئی شکل میں دیکھنے کو ملتے ہیں تو کچھ الفاظ کے تلفظ صحیح نہیں ہوتے ہیں جیسے کہ

گھاس کی جگہ گھانس، پانی کی جگہ پانی، چاول کی جگہ چانول، شہر کی جگہ سہر وغیرہ اور بہت سے الفاظ کو نیپالیوں نے اپنی قواعد کے مطابق ڈھال دیے ہیں۔ جیسے کہ ہانے کی جگہ ہناؤنے جانے کی جگہ جاؤنے کھانے کی کھاؤنے میرا کی جگہ میرو ہمارا کی جگہ ھامرو تمہارے کی جگہ تمرو وغیرہ اس کے علاوہ اور بھی وجہوں سے نیپالی زبان میں استعمال کئی کئی الفاظ میں تبدیلیاں پائی جاتی ہیں۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ نیپالی زبان میں بہت سے الفاظ عربی و فارسی کے بھی ہیں لیکن یہ عربی و فارسی الفاظ اردو کے ذریعے سے ہی نیپالی میں داخل انداز ہوئے ہیں کیونکہ جو وقت مغلیہ عہد میں جب فارسی سرکاری زبان تھی اس وقت بھی نیپال سے مشترک سرحدی علاقوں اور پورے شمالی ہند میں بھی بول چال کی زبان اردو ہی تھی اور نیپالیوں کا سابقہ مختلف معاملات میں انہیں علاقوں اور ان کے لوگوں سے رہتا تھا۔ بہر حال لوک گیت پر سب سے زیادہ علاقائی روایات تہذیب و تمدن اور لسانیات کے اثرات ہوتے ہیں جو الفاظ لوک گیت کار یا عوام کی زبان پر چڑھ گئے وہ انہیں الفاظ کا استعمال اپنے گیتوں میں کرتے ہیں اگر کسی لوک گیت میں کسی دوسری زبان کے الفاظ اور لب و لہجے کثرت سے پائے جائیں تو وہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ دونوں زبانوں کے درمیان ہم آہنگی کی قوت اور انتہائی قربت ہے۔ نیپال میں نیپالی زبان کے علاوہ جینی، نیتی، نیواری، گورکھالی، بھوجپوری، میتھلی، اردو اور ہندی کے علاوہ کئی اور مقامی بولیاں بولی جاتی ہیں

نیپالی لوک گیتوں میں ان سب ہی زبانوں اور بولیوں کے مقابلے میں اردو الفاظ کا بکثرت پایا جانا اس حقیقت کا اعتراف ہوگا کہ پورے نیپال میں اردو لوک ورثے میں شامل ہوکر نیپالی باشندوں کے مزاج تمدن لب و لہجہ و طور و فکر سے ہم آہنگ ہوگئی ہے۔ یہاں میں نیپال کے متفرق لوک گیتوں کے کچھ اشعار درج کر رہا ہوں جس کے مطالعے سے اندازہ ہو جائے گا کہ نیپالی لوک گیتوں میں وہاں بولی جانے والی دیگر زبانیں اور علاقائی بولیوں کے مقابلے میں اردو کے اثرات زیادہ ہیں:

(۱) حضور نیپال کو پیارے
مت آ پچھنو دیش کو

(۲) نہ جاؤ حضور چھوڑے ریوگاؤں پرو
ساتھی منگی نہ رواؤ بسے لائی

(۳) بامرو رشی رواج ما سولٹی کی تاحق لاگئے
زودی کو من ملیو سے سسرال جیو کو کر لاگی

(۴) یو جلا میں سلام یو بیبیں لائی سلام
چالیس برس جیون لائی میرو پانی سلام

(۵) حضور لائی بھنے ساپے مرجو بن
ہیرو کچھو بھنے میرو قسم ہونن نہ بھن

(۶) ڈھاکہ ٹوپی ڈھلکائی چھٹکے ٹیکہ لگائی

آج تو یکے لا پچھو مٹا تو متی باجہ بجائی

(۷) سپنا بھری ھانسی رہے چھوڑ دیا بھری رووں چھو

دوئی دن کو زندگی ماکس کو مایا پاؤ نہ پچھو کیتے میلے کے گرنے

(۸) مدیش بھیو جن تھن نیپال بھیو بھیا بھنگ

دھر ہارا بھیو تین ٹکڑا

(۹) نمرو گا جن کو رنکھا، شاید میرو بھاگیہ ریکھا

(۱۰) جاؤ وائی ھیری کو مکھو آئینہ ما

(۱۱) اللہ رے کیٹی تقال چھوک رے جانا نہ چھوڑ کا ندھا ما بوک

(۱۲) گھٹ چھینے پانی دوئی کھولا کو پانی

اوہی کے گھر بار ہوس کھیتو کا پنچھی بے ایمانی نہ ہالے

(۱۳) پالنگ کو ساگ تر کاری کھاں لائی

یو بھینٹ بھیٹے کو بیلا نہ موقع لائی

تمی تو ال ہوئے ایمان سمجھ دال مایو میرو جان جانے

(۱۴) میلے رومال پانی ما دھوساہر

بسنو پنیو رہوئے

(۱۵) نظر نے تیر میر گروانے

آنسو آنسو جھلکاؤنے

(۱۶) دالو مالو سندور کو سا تو جہر کو دکھاں ہنندیو باٹ

ہاتھما رومال ہونٹ مالالی میرو بھر نیر پسن پال

(۱۷) پنکھی مجور کو پھول میٹھو چھ نیالی حضور کو

(۱۸) نہ ٹوٹوس اب سلسلہ کہے پنی

پھولے پھول کو موسم تمی لالی

میرو مایا ہر دم تمی لالی

(۱۹) میرو من کو نین ریشم بیراگ نے حضور

یو من نین ریشم چھین نی کولی تیر

(۲۰) تمرو باؤ لالی سلام چھوا ما لالی نمستے

(۲۱) زندگی ما دھوکھا تمی نے کسے لالی نہ دیلو

(۲۲) مخمل کو چول مایا چاہ ریکھو کو ہاری

(۲۳) پھول کا تھنگا دیورالی پاکھا لالی

میرو جیون عنز الو آنکھا لالی

(۲۴) چول دیووں لہ مخمل ساری دیو لہ پھا یو سر

میں ہوکا بُھی ریل کو ڈرائیور

(۲۵) لہسن ہوکہ پیاز

پیتے بسوں کے آج

اب میں بالترتیب نمبر شمار کے مطابق ان نیپالی لوک گیتوں کے نمونوں میں اردو الفاظ اور لب و لہجے کی نشان دہی کے ساتھ ساتھ تبصرہ خیال کرونگا جس سے یہ واضح ہو جائیگا کہ ان گیتوں میں اردو کا کتنا حصہ ہے؟ کیوں ہے؟ اور کس طرح سے؟

(۱) اس نمونے میں حضور اردو لفظ ہے۔ اس میں لفظ آپھنو کا استعمال ہوا ہے جس کے معنی اپنا یا اپنی ہے لہذا دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اس میں کو کا استعمال کا کے لئے ہوا ہے۔

(۲) اس میں جاؤ، حضور، چھوڑ، گاؤں، ساتھ، سنگی اردو کے الفاظ ہیں ان میں لوکا نہ رولو سے لدی کا استعمال ہوا ہے۔ یہاں لو کا معنی ہے "نہ رو" اور، کا معنی نہ رلائیے سے لدی کا معنی سب کو ہے واضح ہو کہ لو کا اس معنی میں استعمال اترپردیش کے دیہاتی لوگ کرتے ہیں جو غالباً برج بھاشا کا لفظ ہے

(۳) اس شعر میں مروا ہے، حق نامن، سسرال وغیرہ اردو کے الفاظ ہیں ان میں ہامرو کا معنی ہمارا اور سلیو کے معنی ملا ہے جو نیپالی قواعد کے مطابق اردو سے نیپالی میں تبدیل ہو گیا ہے۔

(۴) اس نمونے میں لو بن، سلام، چالیس، پانی وغیرہ اردو کے الفاظ ہیں

(۵) اس میں حضور ، یوین ، قسم ، یتیوں الفاظ اردو کے ہیں لفظ ساچے اردو لفظ سچ سے بنا ہے۔

(۶) اس شعر میں ٹوپی ، ٹیکہ لگائی آج پکے یا جابجائی وغیرہ اردو کے الفاظ ہیں ہ کا استعمال میں کے لئے ہوا ہے۔

(۷) اس میں سپنا دوکا ، دو ، دن کو ، زندگی اردو ہے ہاشی اور در لفظ ہیں اور روؤں ہے اردو لفظ رونا کی بگڑی شکل ہے۔

(۸،۹) جل تھل ، تیحن ٹکرا اس میں آر دو الفاظ ہیں اس میں شاید کے علاوہ گاجل اردو لفظ ہے گا جل دراصل کا جل کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

(۱۰) اس جاؤ آؤ ، آئینہ اردو الفاظ ہیں۔

(۱۱) اس میں اللہ رے نکال لے جب سمجھ لے کاندھا وغیرہ اردو الفاظ ہیں۔

(۱۲) اس میں گھڑ کا استعمال زیں گھڑ کے لئے ہوا ہے اس کے علاوہ اس میں پانی ، گھر بار ، بے ایمان اردو کے الفاظ ہیں۔

(۱۳) ساگ ترکاری اور موقع اردو الفاظ ہیں پالنگ کا استعمال پالک کے لئے ہوا ہے۔

(۱۴) اس میں رہ ماں ، پانی ، دھوئے ، جوئے وغیرہ اردو الفاظ ہیں۔

(۱۵) اس نمونے میں نظرہ نیر ، گروانے ، آنسو وغیرہ اردو الفاظ ہیں

(۱۶) اس میں بالق، رومال، ہونٹ اور لال وغیرہ اردو الفاظ ہیں یہاں سالو سائنے
یا لگنا کے معنی میں استعمال ہوا ہے

(۱۷) بنکھی، بول، حضور یہ تینوں اردو کے الفاظ ہیں مور کو نیپال میں مجور کہتے ہیں

(۱۸) اس میں سلسلہ، پھول، موسم، ہردم اردو الفاظ ہیں پیار کو نیپال میں مایا اور
پیاری کو مایا لو کہتے ہیں۔

(۱۹) بین، مس، ریشم، حضور وغیرہ اردو کے الفاظ ہیں۔

(۲۰) اس مصرعے میں باؤ کا استعمال باپ کے لئے اور آماں کا استعمال اماں کے لئے ہوا ہے۔
آماں اور اماں میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے ایسا ممکن ہے کہ نیپالیوں نے اماں
کو ہی اپنی زبان کے مطابق ہلکی اضافت سے آماں بنا لیا ہو اس میں سدم اردو
لفظ ہے جبکہ نیستے ھندی ہے۔

(۲۱) اس میں لفظ دھوکا کا استعمال ہوا ہے لیکن لوک گیت میں دھوکا کو بنا دینا
دھوکہ کو جائز ہے کیونکہ لوک گیت پر مقامی لفظ اور لب و لہجہ کے اثرات بھی
مرتب ہوتے ہیں یہاں سے لال کا مطلب کس لئے ہے جبکہ زندگی اردو لفظ ہے

(۲۲) اس میں محض اردو لفظ ہے۔

(۲۳) اس میں دیورا دیور کے لئے نظر الو آنکھا نظر ان آنکھوں کے لئے استعمال ہوا ہے
جبکہ پھول اردو ہے۔

اس میں چول، محمل، ساڑی دونوں اردو لفظ ہیں اس نمونہ میں دو انگریزی لفظوں کا بھی استعمال ہوا ہے پہلا ریل اور دوسرا ڈرائیور آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ انگریزی الفاظ بھی اردو ہی کی مناسبت سے نیپال پہونچے ہیں ایسا نہیں ہے کہ نیپال انگریزی کا یہ اثر ہے ویسے بھی نیپال سے بہت پہلے انگریزی زبان آچکی تھی جس کا تفصیل سے پچھلے باب میں تذکرہ ہوچکا ہے دوسرا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی نیپال میں ریل کا تصور نہیں ہے یعنی ابھی وہاں ریل گاڑی نہیں چلتی ہے اور ڈرائیور کو پورے نیپال میں گروجی یا چالک کہا جاتا ہے البتہ اب پڑھے لکھے طبقے میں اب ڈرائیور لفظ کا بھی رواج ہے نیپال کے دیہاتی لوگ آج بھی ڈرائیور کو گرو جی ہی کہتے ہیں لہذا اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ ریل اور ڈرائیور دونوں الفاظ ہندوستانی انگریزی کے ذریعے نیپال میں رائج ہوئے ہیں جو ہندوستانی عوام میں عام پذیر ہونے کے ساتھ اردو کے تعلق سے نیپال پہونچے ہیں۔

(۲۵) اس میں بسنت نیپالی اور آج اردو الفاظ ہیں

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نیپالی لوک گیت نیپالی تہذیب و تمدن کا جیتا جاگتا مرقع ہے۔ یہ نیپالیوں کی زندگی کے ہر ایک پہلو کو اجاگر کرتا ہے اس سے ان کے رہن سہن طور طریقوں کے علاوہ ان کی زبان و بولچال کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ چونکہ لوک گیتوں کا تعلق براہ راست عوام اور عوام کی روزمرہ زندگی سے ہوتا ہے اس لئے اس میں وہی زبان استعمال کی جاتی ہے جو عام لوگوں کے درمیان رواج پذیر ہوتی ہے لوک

گیت کار لوک گیت تخلیق کرتے وقت ایسے الفاظ کی تشکیل کرتا ہے جو ترسیل و اظہار کا بھرپور اور پر اثر ذریعہ ہو تاکہ لوک گیتوں کا سننے والا بغیر کسی پریشانی کے آسانی سے اس کے مفہوم کو سمجھ سکے۔ نیپالی لوک گیتوں میں اردو کا پایا جانا اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ نیپالی عوام شعوری یا غیر شعوری طور پر اردو سے آشنا ہیں اور بالکل ابتدائی سطح سے یہ زبان ان کے مزاج میں رچ بس گئی ہے۔ آج بھی آپ اگر نیپال جائیں تو وہاں یہ پائیں گے کہ وہ نیپالی سادہ لوح عوام جن کی مادری زبان نیپالی ہے، وہ اپنی بات چیت یا گفتگو کے درمیان نیپالی کے ساتھ اردو الفاظ کا بھی استعمال بحسن و خوبی کرتے ہیں اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اردو نہ صرف وہاں کے لوک گیتوں میں بلکہ ان کی زندگی کے ہر شعبے میں قائم و دائم ہے۔ چاہے وہ سرکاری دفتر ہو یا تعلیمی ادارہ، چاہے وہ تجارت کا محل ہو یا کھیتی باڑی کا کام ہر جگہ یکساں طور سے اردو اور اردو کے اثرات ملتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ اردو کا بنیادی لسانی ڈھانچہ گاؤں، شہر و قصبات کے علاوہ گلی کوچوں میں بھی رچ رہا ہے اور نیپالی عوام گویا نیپالی اور اردو دونوں زبانوں کے اختلاط کی عملی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں

اردو کتابیات

۱۔ اردو میں لوک ادب — مرتبہ پروفیسر قمر رئیس

سیمانت پرکاشن، دریا گنج دہلی ۲

۲۔ اترپردیش کے لوک گیت — اظہر علی فاروقی ۔ ترقی اردو بیورو نئی دہلی

۳۔ اردو گیت — ڈاکٹر قیصر جہاں

مکتبہ جامعہ لمٹیڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

۴۔ لوریاں — اردو ترجمہ راجا رسالو

لوک ورثہ کا قومی ادارہ، اسلام آباد پاکستان

۵۔ اردو زبان کا ارتقاء — ڈاکٹر شوکت سبزواری

سلور لیتھو پریس دہلی

۶۔ اردو لسانیات — نصیر احمد خاں

اردو محل پبلیکیشن، نئی دہلی

۷۔ اردو کی بولیاں اور کرخنداری کا عمرانی لسانیاتی مطالعہ ۔ ڈاکٹر نصیر احمد خاں

ادارۂ تصنیف ۷/ ڈی ماڈل ٹاؤن، دہلی۔

۸۔ اردو ساخت کے بنیادی عناصر — نصیر احمد خاں۔ اردو محل نئی دہلی۔

۹۔ ہند آریائی اور ہندی — سنیتی کمار چٹرجی، مترجم۔ عتیق احمد صدیقی
ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔

۱۰۔ ہندوستانی لسانیات — ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔
نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ لکھنؤ۔

۱۱۔ جدید اردو لسانیات — ڈاکٹر امیر اللہ خاں شاہین۔

۱۲۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ — رما شنکر ترپاٹھی، مترجم سید سخی حسن نقوی۔
ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔

۱۳۔ خدنگِ غدر — معین الدین حسن خاں
شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی۔

۱۴۔ تشکیلِ تمدن — عطش درانی
سنگ میل پبلیکیشنز
چوک بازار لاہور۔

ہندی کتابیات

1. लोक साहित्य के आयाम — जगदीश प्रसाद पीयुष, लोक साहित्य संस्थान, इलाहाबाद
2. लोक कला स्वभाव और परिभाषा का प्रसंग — जगदीश प्रसाद पीयुष, लोक साहित्य संस्थान, इलाहाबाद
3. लोक साहित्य और पावरी भाषा — डा॰ एन॰ बी॰ चौधरी, पुस्तक संस्थान, कानपुर
4. प्राचीन नेपाल का राजनीति और सांस्कृतिक इतिहास, — श्रीराम गोयल, भारतीय विद्या प्रकाशन, वाराणसी

نیپالی کتابیات

1. नेपाल को इतिहासिक विवेचना — माधवप्रसाद शर्मा, वाराणसी
2. नेपाली साहित्य को इतिहास — दीनानाथ, बिहार हिन्दी ग्रन्थ एकादमी, पटना

3. नेपाली लोक साहित्य को विवेचना — धर्मराज थापा र हंसपुरे सुवेदी, त्रिभुव विश्व विद्यालय, काठमांडो
4. नेपाली भाषा र साहित्य को भारतीय पत्रिका को योगदान — अजित बस्नेत
5. नेपाली साहित्य को उत्थान काल— शान्ता देव, महासई
6. नेपाली एन संग्रह – पूरकखण्ड, कानुन किताब व्यवस्था समिति, काठमाण्डो
7. नेपाली व्याकरण इतिहास र आलोचना— हेमनाथ उपाध्याय
8. नेपाली व्याकरण — वारस मणि प्रधान, मैकमिलन प्रेस, कलकत्ता
9. नेपाली लोकगीत संग्रह — संकलन सम्पादन, एस० के० उपाध्याय, काठमाण्डो

10. लोकगीत — चन्द्र बहादुर ठकुरी

11. लोकगीत नेपाली — कुसुमाकर न्योपानी

12. लोकगीत (नेपाली) — दामोदर पंत

13. लोकगीत (नेपाली) — राजेन्द्र प्रसाद पौड्याल

14. लोकगीत स्याङ्जाली — नारायण प्रसाद अधिकारी

15. लोकगीत तल्ला स्वराड़ बैतडी — अनन्त प्रधान

انگریزی کتابیات

1. Studies in The History and Culture of Nepal — Lallanji Gopal and Thakur prasad Verma, Bharati Prakashan, Varanasi.

2. Chronology and History of Nepal — K.P. Jayaswal, Bharti Prakashan, Varanasi

3. Medieval Nepal Part I & II, Dr. Regni

Pharma K.L. Mukhopadhyay, Calcutta.

4. Modern Nepal - Dr. Regmi, Phama K.L. Mukhopadhyay, Calcutta.

5. Nepal and The East India Company B.D. Sanwar, Asia Publishing House, New Delhi.

6. An Account of the Kingdom of Nepal - Francis Buchanan Hamilton, Manjusri Publishing House, New Delhi.

7. Nepal: Profile of Himaliyan Kingdom - Leo E. Rose & John T. Scholz, West view Press / Boulder, Colorado.

8. Rana Polity in Nepal Origin and Growth - Satish Kumar, Asia Publishing House, New York.

9. Nepal Strategy for Survival — Leo E. Rose, Oxford University Press.

10. Society and State Building in Nepal — R.S. Chauhan, Sterling Publishers, New Delhi.

11. A Brief Survey of Nepali Histography — Krishna Kant Adhikari, Sahyogi Press Kathmandu, Nepal.

12. Geography of Nepal — N.B. Thapa and D.P. Thapa, Orient Longman, Bombay.

13. Indo-Nepalese Relations — Sushila Tyagi, D.K. Publishing House, Delhi.

14. Military History of Nepal (Papers and Correspondence) Bimla Publishing House, New Delhi.

15. Bibliographical Index of The Lesser Known Languages and dialects of India and Nepal, ed., Richard D. Hugoniot, Kathmandu.

16. Judicial Customs of Nepal — Kaishar Bahadur, Ratna Pustak Bhandar, Kathmandu.

17. Nepal Festivals — Dhurba K. Deep, Ratna Pustak Bhandar, Kathmandu.

18. Folk Element in Hindu Culture — Benoy Kumar Sarkar and Hemandrak Rakshit, Hindu Folk Institutions, Orient, New Delhi.

19. Folklore Studies — Shirley L. Arora, University of California Press.

20. Folklore and Folk Life (Bibliography); Richard M. Dorson, University of Chicago Press.

21. Folklore and Fakelore — Richard M. Dorson, Cambridge, Harvard University Press.

22. Folk Literature India, Manju-Shree Chauhan, Centre for East Asian Languages, J.N.U. New Delhi.

23. Folklore of Nepal — Man-Mohan Sharma, Vision Books, New Delhi.

24. Lore and Legend of Nepal — Iesar Lall, Ratna Pustak Bhandar, Kathmandu.